بسم اللہ الرحمن الرحیم

رافع [illegible]

فی تحقیق ما

[illegible]

حکیم فیض عالم صدیقی

[illegible]

دامغ الظنون

فی تحقیق

جلاء العیون



حکیم فیض عالم صدیقی

ادارہ فیض القرآن
فیض نگر
پوسٹ آفس برڑہنگ
تحصیل بھمبر ضلع میرپور (آزاد کشمیر)

نام کتاب ـــــــ دامغ الظنون

مؤلف ـــــــ حکیم فیض عالم صدیقی

تقدیم ـــــــ ابن ابی فیض

تعداد صفحات ـــــــ ۲۴۸

ناشر ـــــــ علامہ فیض عالم اکیڈمی
نبی سر روڈ (سندھ)

بار ـــــــ اوّل

تعداد ـــــــ ۱۰۰۰

قیمت ـــــــ Rs 48



فہرست مضامین دامغ الظنون فی تحقیق جلاء العیون

حکیم فیض عالم صدیقی شہید

ممتاز محقق عالم دین، اہلِ قلم اور تحریک آزادیٔ کشمیر کے سرگرم رہنما ۱۸ اپریل ۱۹۱۸ء کو فتح پور مضافات راجور (مقبوضہ کشمیر) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم فتح پور میں حاصل کی، مزید تعلیم پنجاب میں حاصل کی

قرطاس و قلم سے تعلق چھوٹی عمر میں ہی ہوا تھا۔

چنانچہ اس دوران آپ نے کشمیر کے جرائد چاند، حق، جاوید، پاسبان، ملت، جوہر اور الاصلاح وغیرہ میں لکھنا شروع کیا۔ بعد میں یہ سلسلہ آپ کی سیاست میں آمد کے باعث منقطع ہو گیا۔

۱۹۳۶ء میں آپ فوج میں بھرتی ہو گئے۔ اس دوران آپ کو مرزائیت اور عیسائیت کا بھرپور مطالعہ کرنے کا موقع مل گیا۔ کچھ عرصہ آپ کو ضلع کھٹوعہ میں جو ہندوؤں کا مرکز تھا مدرس تعینات کیا گیا وہاں ہندو مذہب کا پورے انہماک کیساتھ مطالعہ کیا۔ انہی دنوں "مسلم کانفرنس" کے احیاء اور مسلم کاز کی تائید میں سینکڑوں مقالات لکھے، طب میں زبردست مہارت حاصل کی۔

۱۹۴۲ء میں الہ آباد سے ادیب کامل اور ۱۹۴۵ء میں پنجاب سے فارسی فاضل کی ڈگریاں حاصل کیں اس طرح طب میں بھی حکومت پاکستان کی طرف سے درجہ اول کے سند یافتہ طبیب تھے۔ تقسیم ملک کے وقت ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور معروف کشمیری رہنما چودھری غلام عباس کے معتمد خصوصی کی حیثیت سے کام کرنا شروع کیا۔ ان کے خصوصی انہماک سے چوہدری صاحب بہت متاثر تھے۔

ان سیاسی مصروفیات کے باوجود دینی خدمات سے غافل نہیں رہے اور ضلع جہلم میں ایک بڑی جامع مسجد اور ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی بعد میں آپ کو یہ قصبہ چھوڑنا پڑا۔ یہاں سے مولانا جہلم کے محلہ مستریاں آئے اور وہاں مسجد و مدرسہ تعمیر کرایا۔

مولانا فیض عالم صدیقی ایک عالم و زاہد ہونے کے علاوہ ادیب بھی تھے۔ اتحاد بین المسلمین کے بڑے خواہشمند تھے۔ ایک محقق ہونے کے ناطے سے عظمت و مقام صحابہؓ

کے شدت سے قائل ہی نہیں زبردست مبلغ بھی تھے۔ اسی جذبہ کی بناء پر بعض دفعہ ان کی تحریریں سلفِ صالحین کی روش سے ہٹ جاتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مسئلہ کو بڑے موثر انداز میں سمجھانے میں ماہر ہیں ان کا طرزِ تحریر منفرد ہے اور اس میں شدت پائی جاتی ہے۔

تحقیق کے میدان میں بڑے نازک مسائل پر قلم اٹھایا۔ روافض و سبائیت ان کا خصوصی موضوع تھا اور اس پر انہوں نے سینکڑوں مقالات لکھے۔ ان کی پہلی باقاعدہ تصنیف اختلاف امت کا المیہ ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی تو گویا فکر و نظر کے ساکن تالاب میں تموج پیدا ہو گیا۔

ان کی تصانیف میں مقام صحابہؓ، واقعہ کربلا، عترتِ رسولؐ، بنات رسولؐ، شہادتِ ذوالنورینؓ، سلطان ٹیپو، خالدؓ سیف اللہ اور حقیقت مذہبِ شیعہ قابلِ ذکر ہیں۔

سید قاسم محمود

صفحہ: ۱۲۱۸۔ شاہکار انسائیکلوپیڈیا

ابن ابی فیض

دام تزویر

حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش ولے
دام تزویر مکن چوں دگراں قرآن را

(اے حافظ! تو اپنی خوشیوں اور مسرتوں کے حصول کیلئے شرابی بن یا رند۔ لیکن دوسروں کیطرح اپنے اعمال و افعال کے جواز میں قرآن کے ساتھ دھوکہ مت کر)

"تو جھوٹ کو خوبصورت صوتی اثرات دیگر اتنی بار دہرا کہ عامۃ الناس اسے سچ سمجھنا شروع کر دیں اور سچ کے سُر اس بھونڈے طریق سے پیش کر کہ لوگوں کی سماعتیں سچ سے نفرت کرنے پر مجبور ہو جائیں"۔

کہا جاتا ہے کہ "روایت" حسین ہوتی ہے۔ مگر آج کے دور کا انفرادی مشاہدہ اور اجتماعی تجربہ "روایت" کے اس روایتی حسن کی نہ صرف تردید کرتا ہے۔ بلکہ اس کے قبیح خدوخال کو مزید اجاگر بھی۔ یہ تضاد و تناقض آخر کیوں؟ جبکہ سورج تو آج بھی ہمیشہ کی طرح مشرق ہی سے طلوع ہوتا ہے۔ کیا صاحبانِ بصیرت کیلئے۔ "فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ" کا پیام تو نہیں کیونکہ ہمیں "بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا" کا تناظر بھی ملتا ہے۔ پھر اس غیر فطری تضاد کا خالق کون اور غیر طبعی تناقض کا مرجع کیا؟

"حرف" کیا ہے؟ اور کس قوت کا حامل ہے؟ اس کا علم تو اس کے خالق اکبرؒ ہی کو معلوم، البتہ یہ حیوان ناطق اپنے "علم قلیل" کے بل بوتے پر یہی جان سکا کہ محض دو حروف "کاف و نون" ہی کا یہ سب کیا دھرا ہے۔ علم قلیل کا حامل یہ بے چارہ جو آج بھی اپنے تمام تر علم و فضل کے باوجود "فیکون" کی ابجد تک بھی رسائی حاصل نہ کر سکا "لفظ" کے معانی کی قوت کب جان سکے گا۔

ربِ لایزال کے حکمِ کُن کے بعد فیکون کے بطن سے "لازوال محبتوں کی سرزمین" جنم لیتی ہے اور اسی سرزمین پر "کُن" کی تعمیل میں رحمتوں کے خوش رنگ اور بے کراں لالہ زار تخلیق ہوتے ہیں۔ پھر یہی لالہ زار مہ و سال کے جنگلات میں حسن و خوبصورتی اور نیکی و ہدایت کے شتیروں کو جنم دیتے ہیں۔ جنہیں "فنا" کارندہ اپنے شب و روز کے عمل سے برادے میں بدل دیتا ہے۔ "فنا" کارندہ اپنے ساز پر روزِ ازل سے "ہستی" کے گیت گاتا چلا آ رہا ہے اور گاتا چلا جاتا رہے گا کب تک؟ شاید "عدم" تک۔ کہ "ہر شے کو فنا کے گھاٹ پر موت کا گھونٹ پینا ہے" عدم اور وجود تخلیق و فنا، زندگی اور موت۔ ہستی اور نیستی، یہی ہے۔ آئینِ کُن، تارِ حریر دو رنگ۔

حریرِ دو رنگ کے گیسوؤں کو اپنے ذہن کو نئی پرواز کریں پھر اس ردائے مشکیں پر ہجوم کر کے جبۂ نیاز کریں تو فیکون کی کوکھ سے جنم لینے والے اجری بچوں اور عنبریں نغموں کی اوٹ میں آج بھی آپ کو وادیٔ غیر ذی زرع کے درمیان ایک طویل القامت بزرگ، ایک جواں سال عورت اور ایک شیر خوار بچے کے ہمراہ نظر آ سکتا ہے۔ بس ذرا چشمِ بصیرت کو وا کرنے کی ضرورت ہے۔

وادیٔ غیر ذی زرع، تپتی زمین، ناچتے بگولے، جھلسنے موسم، جلتے دن اور خوفناک تاریک سرد راتیں، سلسلہ روز و شب۔ فیکون کا عمل پوری قوت سے جاری و ساری ہے۔ صبرِ کائنات شناسا پودا، زمزم کا سنطوق، ذبحِ عظیم کا حامل، پھلتا، پھولتا اور پھیلتا ہی چلا جاتا ہے۔ ایک جہانِ رنگ و بو بلکہ ایک مکمل کائنات اس کی چھتنار چھاؤں تلے وجودِ باری کی نعمتوں سے فیض یاب ہو رہی ہے۔

اللہ جلیل کی اٹل سنت کر حال کے لے ماضی کے اندھے اور گہرے عدم میں مدغم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ بتدریج، آہستہ آہستہ وقت کی ریگِ رواں کا صحرائے ناپیدا کنار، بظاہر جامد نظر آتا ہے۔ مگر جمود کے اس ظاہر کو تحریک کا باطن تھم تھم کر کے نگلتا چلا جا رہا ہے۔ ایک عفریت کی طرح۔

وقت کا یہ مرکب اپنے راکب سمیت ایک نامعلوم سمت کیطرف کسی دہشت زدہ کیطرح بگٹٹ بھاگا ہی چلا جا رہا ہے۔ جامد نظر کا متحرک باطن، یہ جمود و تحریک اگر وقت کی پہچان ہیں۔ تو ظاہر و باطن، حاملِ کُن کے خالق اکبرؒ کی صفات ہیں۔ یہ تضاد یہ اختلاف، ایک تلخ حقیقت یا محض ایک سراب، وہ علیماً خبیرا اور یہ ظلوماً جہولا، اے میرے اکبر کبیرا۔

روز و شب کے اس بطن سے ایک حسن بلکہ حسن مجسمؒ طلوع ہوتا ہے۔ رشد و ہدایت کی زنجیر کا آخری حلقہ۔ اس جہانِ شش جہات بلکہ چاردہ جہات میں اس کے حسن کی چمک دمک اور خوبصورتی میں ماضی کے تمام حسین رنگوں کے حسن کا امتزاجی پرتو بدرجہ اتم موجود ہے۔

"کُن" کی صدائے لازوال، "فیکون" کے بطن سے اتنا حسین حسن تخلیق کرتی ہے کہ حسن اپنے تمام تر ممکنہ معانی میں بے معنی سا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسکی مثال ماضی میں محال اور مستقبل میں ناممکن۔ آخر ایسا کیوں نہ ہوتا کہ مہ و سال کے پروردہ اس شتیر میں آخر ایک یوسفؑ کا وجود بھی تو شامل ہے۔ ہستی کے ساز پر ازلی گیت کی یہ آخری مگر ابدی تان ہے۔ ایک جانفزا، سمع نواز، سکون بخش، حسین تان۔ اس تان میں دعائے خلیلؑ کا سوز بھی شامل ہے۔ معجزۂ داؤدؑ کا ساز بھی۔ یہاں اس مقام پر فیکون اپنی حیاتِ لازوال کے تمام تر تخلیقی حسن کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ حسنؑ نویدِ مسیحاؑ کا حامل بھی ہے اور ید بیضاء کا ہم عنان بھی۔

حسن کو رحمت کہا اور پھر اسی وادیٔ غیر ذی زرع میں محبتوں کی رحمتوں کے لالہ زار ہی تخلیق نہیں کئے بلکہ سمع اور اطاعت کے جوئبار بھی جاری کئے۔ "تعمہ" کے یہ زم رو جوئبار اپنے منبعِ حسنِ رحمتؑ سے خود بھی سیراب ہوتے ہیں۔ اور اپنے اپنے ظرف کے اعتبار سے غیر ذی زرع اذہان و قلوب کو بھی سیراب کرتے ہیں۔ جوئبار کے اس مجموعے میں اگر ایک صدیقؓ ہے تو دوسرا فاروقؓ تیسرا عثمانؓ ہے تو

چوتھا اسداللہ الغالبؑ، پانچواں سیف اللہؓ تو چھٹا سید الشہداءؓ غرضیکہ فیکون کے حسین مرتھاتی اس مرغزار میں لاکھوں چھتنار پیڑ خلافتِ ارضی کی ذمہ داریوں کے بھاری بھرکم بوجھ کو اٹھائے اسطرح سرو قد کھڑے ہیں کہ آج کا دو ٹنگا حیوانِ ناطق اپنے تمام تر علم و فضل اور مجد و شرف کے باوجود اپنی معاش و معاشرت اور تہذیب و تمدن کے اندھیاروں کو اجالوں میں بدلنے کیلئے ان ہی میں سے کسی ایک کی اتباع کرنے پر مجبور ہے۔ حسنِ رحمتؐ سے اکتساب فیض کرنے والے یہ مینار ہائے نور اگر مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد ہیں تو شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں بھی اور یہ سب اسی رحمۃ للعلمینؐ کے تربیت یافتہ ہیں۔ رحمۃ للعلمینؐ! کون رحمۃ للعلمینؐ؟

وہی رحمۃ للعالمینؐ جو اپنے خون کے پیاسے دشمنوں کو یہ مژدۂ جانفزا سناتا نظر آتا ہے "جاؤ آج کے دن تم پر کوئی تثریب نہیں"

تاریخ کے جھروکوں سے جھانکیئے۔ بس یہی کوئی تین ہزار برس پیچھے "احد عشرہ کوکبا والشمس والقمر" گیارہ ستارے، ایک سورج اور ایک چاند سجدہ ریز نظر آتے ہیں اور وہاں بھی یہی منظر دیکھنے کو ملتا ہے اور آج سید المظلومینؑ۔ اپنی قوم کو بھی یہی نویدِ جانفزا دیتا ہے کہ صرف اور صرف ایک حسن مجسمؐ ہی اس ظرف کا حامل ہو سکتا ہے اور یہ لازم ہے کہ اس ظرف مطہرؐ سے سیراب ہونے والا بھی اسی نوع کے ظرف کا حامل ہو۔ جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے۔

ایک ماضی، یہ بھی ہے اس "حال" کی تصویر کا۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

اب آیئے ذرا اور آگے بڑھیئے اور سینہ تھام کر بڑھیئے! کہ ان مرغزاروں اور لالہ زاروں میں حنفیت الطبع انسان کو ---- ایک ایسا جم غفیر بھی نظر آتا ہے۔ جس کے باطنی خبث اور داخلی کرودھ نے ان کے بدبخت ظروف کی سرزمین پر کہیں تو "تقیہ" کی بدبودار کائی کے علاوہ کسی اور خوش منظر روئیدگی کے وجود کو سرے سے قبول ہی نہیں کیا اور کہیں محبت و رحمت کے حسین مرغزاروں میں "بداء" کے خار دار تھوہر کو اتنے "خلوص" سے کاشت کیا ہے کہ آج کا کوئی سلیم الطبع فرد اگر حنفیت کی حامل انسانیت کی حدود میں داخل ہونے کی کوشش بھی کرتا ہے تو اس کے راستے میں رفض کی کوکھ سے جنم لینے والی متعفن کھاد کی پروردہ "تقیہ" کی کائی کی پھسلن اسے بار بار گرنے پر مجبور کر دیتی ہے، کچھ کم حوصلہ تو راستے میں ہی دم توڑ دیتے ہیں۔ اور جو باقی بچتے ہیں وہ اسی کائی سے اپنے قلب و ذہن کیلئے قوت لایموت حاصل کرنے پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ اور اگر صداقت و عدالت میں ملبوس کوئی جیدار اپنے ذہنِ ناتواں کو اس کائی آلود جوہڑ سے بچا کر نکال لے جانے میں کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔ تو آگے "بداء" کا بے آب و گیاہ صحرا اس کا منتظر ہوتا ہے۔ جہاں بے دانش کے دانشور مداری اپنی خوش رنگ پٹاریوں میں تشکیک کے عظیم الجثہ اژدہے بند کئے اسکے منتظر ہوتے ہیں۔

رب ذوالمنن نے حسن مجسمؐ کے ہاتھوں "دین" کی بے مثال اور لازوال عمارت کی تکمیل کروائی۔ مگر مدس و بصل کے پروردہ اذہان نے آلِ عبد مناف کے نام کی آڑ میں شنویت کے غلیظ اور ناپاک ہاتھوں

سے "آوستا" کی قربان گاہ پر "دین" کا جھٹکا کروا دیا۔ اور پھر "ژند" کے تیز خنجروں سے مٹے ٹکڑے کروائے۔ اور دین مرحوم کے ان منتشر اجزاء پر "مذہب" کے خوش رنگ لیبل چسپاں کر دیئے۔

"از دم او کعبہ را گل شد چراغ"

ساری کی روحانی ذریت اور شنویت کی ذہنی اولاد نے آلِ عبد مناف کی جسمانی آڑ لیکر دین حنیف کو مذہب کا رنگ دینے کیلئے جس چار دیواری کی تعمیر کی۔ اس کے داخلی دروازوں کی چوکھٹوں میں تقیہ آلود مکاری کے کواڑ لگوائے اور خارجی دروازوں کی چوکھٹوں میں بداء آمیز عیار کے کواڑ اس مہارت سے نصب کئے ہیں کہ معلم الملکوت بھی انکی عیاری و مکاری کو برتنے کے بعد یقیناً تھرا اٹھا ہو گا۔

امام المظلومینؑ، رحمۃ للعالمینؐ، خاتم النبیینؐ والمعصومینؐ کے مبارک ہاتھوں سے شرفِ تکمیل حاصل کرنے والی دین کی اس رفیع الشان عمارت میں نقب زنی کرنے والی مثلث کے ایک زاویے پر ساریت کے حامل پجاری اذہان قابض ہیں تو دوسرے زاویے پر شنویت کے خبث میں غرق قلوب دھمالی دکھا رہے ہیں۔ اور بے چارے آلِ عبد مناف تو محض مجسم عبرت ہیں۔ دانشورانِ عصر، مثلث کی خوبیاں اور خامیاں اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں۔ کہ اسکی گمراہی کیلئے دو کا وجود ہی کفایت کرتا ہے۔ کیا خوبصورت طریقہ واردات ہے کہ آج کا جاہل عالم مثلث کے مذہب کو ہی کعبہ کا دین تصور کئے ہوئے بیٹھا ہے۔ ملبوس اور مظروف کے غلیظ بطون میں پلنے والی اس تقیہ آمیز اور بداء آلود مذہبی تبرائیت پر سے نقاب اتار کر اسے اپنے مادری وجود میں پیش کرنے والی ذوات قدسیہ کو آج بھی انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔ امام ابنِ تیمیہ اس کارواں کے سرخیل ہیں۔ اور برصغیر میں کروڑوں کی بلکہ اربوں کی آبادی میں محض چند سو۔ حسنِ مجسم نے جو بھی عطا فرمایا وہ بذاتہ مجسم حسن تھا۔ کہ جمیل کا جہاں اور جمال کا ذوقِ جمالیت، اے ربِ لایزال ---- کہ تو ہی اعظم و اکبر۔ تو اپنی مثال آپ اور اپنا مثیل بھی خود۔ سلسلہ روز و شب! فرد خواہشات کا غلام ہے یا حالات کا اسیر مگر "غلامی" سے "بے یقینی" یقیناً بدتر ہے۔ تشکیک کے خالق اذہان دین کے تیقن کو مذہب کی تشکیک کے خوشرنگ لبادے میں کیموفلاج کر لینے کے بعد ہی تو دانشور بنتے اور کہلاتے ہیں کہ وہ غلاموں کو مزید "بے یقینی" کا درس دینے میں ماہر ہوتے ہیں۔ اور جو دانشور شکوک و ریب کی چھچھوندریں جتنی مہارت سے تخلیق کر سکتا ہے۔ وہ اتنا ہی بڑا دانشور کہلوانے کا استحقاق رکھتا ہے۔ یہ امت خرافات میں کھو گئی۔

اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ "کاروانِ سرمستاں" میں شامل کسی بھی انسان نے خود کو دانشور کہلانا اور کہلوانا پسند ہی نہیں کیا۔ اپنی خواہشات کو اپنا رب بنا کر پوجنے والے، دانشور، خواہشات کے اس لق و دق صحرا میں مجوسیت، ساریت اور مختون شنویت کی ذہنی غلامی کی رہنمائی میں حالات کے مرکب پر روحانی اسارت کے سوار یہ دانشور، جب رفض کے پروردہ ان کاروانوں کو لیکر چلتے ہیں۔ تو تقیہ و تبرا کی اتنی گرد اڑتی ہے کہ بڑے بڑوں کا علم و فضل اس گرد کی تہ میں دب کر فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔ اور ستم بالائے ستم ان جبوب و عمائم کو خود تو اپنی حماقتوں کا احساس ہی نہیں ہوتا ہے اور اگر کوئی صاحب

بصیرت ان کی حماقتوں کے زاویہ قلب و نظر کو بدلنے کی سعی ناتمام کرتا بھی ہے تو چہ جائیکہ وہ الہام و بصیرت فوراً ہی تمیز کر کے اپنی ان احمقانہ غلطیوں سے رجوع کریں۔ الٹے اپنے احمقانہ اعمال کے جواز میں تاویلات کے ہمالیہ تراشتے چلے جاتے ہیں۔ تاویلات کے ان سرد صحراؤں میں خباثتوں کی یبوست اپنی تمام تر عیاریوں اور مکاریوں کے لباس میں جلوہ فرما ہوتی ہے۔ اور اس یبوست زدگی کے رد عمل میں جنم لینے والے شور خوردہ اذہان و قلوب تک خود تو قرآن کا رطب پہنچا نہیں سکتے کہ بزعم خویش وہ دانشور کہلاتے ہیں۔ اور اگر کوئی دردمند مصلح ابھی اس دانشوری کے شکار مقلد، بنجر اور یبوست زدہ اذہان و قلوب کو قرآن حکیم کے رطب سے سیراب کرنے کی جرات کرتا ہے تو وہ تکفیر کی تیر اندازی کیلئے بہترین اور خوبصورت نشانہ ثابت ہوتا ہے۔ یہاں اس مقام پر قرآن کا مقصد نہ خود پہنچاتے ہیں اور نہ پہنچنے دیا جاتا ہے۔

جلال و جمال کی چمکتی دمکتی اور درخشاں آیات کے حامل جواہرات پر پہلے تو ثنویت و سامریت کے سنگریزوں کی رمی کی جاتی ہے اور پھر "آبانا" کے انہیں سنگریزوں کو ترتیب دیگر "وجدنا" کے مندر تعمیر کئے جاتے ہیں۔ اور وہاں "تصوف" کے لات و مناۃ سجا کر مذہب کے نام پر طواف کرایا اور کروایا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی ذہین انسان انکے دجل و فریب سے بھرپور اس روایت سے بغاوت کا نعرہ بلند کرتا ہے۔ تو اس ذہین باغی کی نظروں سے قرآن عظیم کے تعمیر کردہ کعبہ کو اوجھل کرنے کیلئے "وجدنا" کے مندر ہی میں کلچر، آرٹ، تمدن، تہذیب کے یغوث و یعوق سجا کر رکھ دیئے جاتے ہیں۔ اور صاحبان بصیرت جانتے ہیں کہ کلچر زدہ اور کلچر گزیدہ معاشرے کا مقدر صرف اور صرف "عاد و ثمود" کی ہمرکابی ہوتا ہے۔

سامریت اور ثنویت کی ازدواجیت نے جب رفض کو جنم دیا تو معلم الملکوت کی خوشی کا ٹھکانہ کیا رہا ہو گا۔ بظاہر تو وہ رونا روتا ہے "اس حضرتِ آدم کی صحبت نے مجھے انتہائی مایوس کیا ہے کیونکہ اسکی فطرت میں "ابا" نام کی کوئی جنس ہی نہیں" اور بباطن بغلیں بجاتا ہے کہ "وہ مارا کہ اس خس و خاشاک کیلئے تو میرا ایک ہی شرارہ کافی ہے" اور وہ اس میں کامیاب بھی تو ہے کہ رفض کی تمام تر تعلیمات کا مرکز و محور صرف اور صرف آل عبد مناف ہے۔ اور مجوسیت اور سامریت کے اس خود ساختہ محور میں وہ سات بھی ہیں۔ جن میں سے کسی ایک نے بھی کسی آزاد عورت کے بطن سے جنم نہیں لیا۔

تصوف کی آڑ میں روایات کے رندے نے ایک طرف تو حسنِ مجسمؐ کے مبارک اور مقدس ہاتھوں سے تراشے ہوئے خوبصورت شہتیروں کو برادہ بنانا شروع کر دیا۔ اور دوسری طرف تقیہ و تبرا کے بطون سے جنم لینے والے مجوسی ٹڈی دل نے رفض کے صحراؤں میں پرورش پا کر ان لالہ زاروں اور مرغزاروں پر بلہ بول دیا جنہیں حسن مجسمؐ نے تیس سال تک اپنے خونِ جگر سے سینچ سینچ کر محنت شاقہ سے پروان چڑھایا تھا اور رب لایزال نے دینِ حنیف کی تکمیل کی مہر اس پر ثبت فرمائی تھی۔ تصوف کی دیمک تقیہ و تبرا کے بطن سے جنم لینے والی تبرائیت کا وہ گلِ استر ہے جو ہے تو بانجھ اور عقیم مگر بوجھ اٹھانے میں کامیاب بلکہ کامیاب تر۔ اور یہ تھا رفض کا منتہائے مقصود کہ تصوف کی دیمک سے ایک طرف تو

"الحکمت" کے شجر سایہ دار کی جڑوں کو کھوکھلا کروانا شروع کر دیا اور دوسری طرف سامانیت کی باد سموم سے "رضی اللہ عنہ" کے لہلہاتے گلستان کی جنتی بستی آبادیوں کو وحشت ناک صحراؤں میں تبدیل کرنا شروع کر دیا۔ تیسری طرف لونڈیوں کے جنم دادہ چند بالانشینوں کو "آبانا" کے لبادے میں ملفوف کر کے امتِ مرحومہ میں "انا لاغیری" کا نعرہ لگوایا۔ چوتھی طرف سامانیت کا حقِ نمک ادا کرتے ہوئے آل اور اولاد کے نام سے نسلی تعصب کے اژدہے پال پوس کر جوان کرنا شروع کر دیئے۔ پانچویں طرف شعوب و قبائل کی من مانی تاویلات کی غلاظت کے ڈھیر سے انتشار و افتراق کے خار و زقوم اگائے۔ چھٹی طرف فضائل کے فضلا پر نابداں کے پروردہ........ نے انسانی مجد و شرف کے سبزہ زاروں کو پامال کرنا شروع کر دیا۔

غرضیکہ اس شش جہتی یلغار کے خالق اذہان نے پہلے تو منافقت کے تانے اور تقیہ کے بانے سے خباثتوں کے لبادے تیار کئے اور پھر بڑی محتاط منصوبہ بندی کے بعد انتہائی مہارت سے چند ملت فروش اور "غم خوارانِ آل و اولاد" کے ماتم گساروں کے روپ میں اپنے آپ کو پیش کیا۔ اس منصوبہ بندی کیلئے جس حزم و احتیاط کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ اسکا اندازہ اس تلخ حقیقت سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ ہم آج بھی مرادِ حسنِ مجسمؐ اور ذوالنورین اعظمؓ کے خون سے آلودہ ہاتھوں کو نہیں پہچان پائے۔ بظاہر جو مہرے نظر آتے ہیں۔ وہ محض مہرے ہی تو ہیں شاطرِ حقیقی کون ہے اور اس شطرنج کا موجد کون؟ وہ سبھی تقیہ کی اوٹ میں چھپے ہوئے ہیں۔ ان ذہین شاطروں کی صفوں میں اگر ایک مؤرخ کے روپ میں نظر آتا ہے تو دوسرا مفسر کے بہروپ میں براجمان، تیسرا محدث کے لبادے میں ہے تو چوتھا فقیہ کے جامے میں، پانچواں سیاست مدنی کا ماہر ہے تو چھٹا علم الابدان کی چوٹیوں پر براجمان ہے ساتواں فلسفی ہے تو آٹھواں متکلم ہے۔ نوواں صوفی ہے تو دسواں باطنیت کا داعی، گیارہواں استاد ہے تو بارہواں مبلغ۔ تلک اثنا عشرۃ کاملہ۔

غرضیکہ حیاتِ انسانی کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں ہے جو ان زاغوں کے تصرف سے آزاد ہو۔ ملت کو تو حسنِ مجسمؐ نے صداقت، عدالت اور شجاعت کا سبق پڑھایا تھا۔ مگر فقہا، محدثین، اطباء و فلاسفہ مفسرین و مؤرخین کی اس موج ظفر موج نے انتہائی چابکدستی سے، آنے والی نسلوں کے اذہان میں تشکیک و تاویلات کے چھچھوندر داخل کر دیئے۔

(۱) چاہیئے تو یہ تھا کہ صداقت و عدالت کے قاتلوں کو بے نقاب کر کے ملت کو ان کی مکروہ صورتوں سے آشنا کروایا جاتا۔

(۲) چاہیئے تو یہ تھا کہ ان اسباب کا کھوج لگا کر اسے امت مرحومہ کی عوامی عدالت میں پیش کیا جاتا جن کے شدید دباؤ میں آ کر "فاتح خیبر" نے مدینہ کی مرکزیت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔

(۳) چاہیئے تو یہ تھا کہ اس "صورت نادر" کو بے نقاب کیا جاتا جو حادثہ کربلا کا باعث بنی۔

(۴) ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ حسنِ مجسمؐ کے حسین لبوں سے ادا ہونے والے الفاظ کی گہرائی اور

گیرائی کو عملی اعتبار سے سمجھا اور سمجھایا جاتا۔

(۵) ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ رب لایزال کے جانفزا کلام کی ابدی تعلیمات کے لازوال رنگ میں اپنے آپ کو رنگ لیا جاتا۔

(۶) ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آسمان رسالتؐ کے درخشندہ ستاروںؓ کی روشنی کو اپنی فانی زندگی کے اندھیروں میں جذب کر کے اجالوں کے دیئے روشن کئے جاتے۔

مگر افسوس صد افسوس جو ہونا تھا وہ نہ ہوا اور جو ہو رہا ہے۔ وہ محض سراب و دھوکہ ہے اور دجل و فریب ہے۔ ان مجوسی پیشیوں نے اپنی عیاری و مکاری سے پہلے تو قرآنی تریاق کے منبع پر مفسر کے بہروپ میں غاصبانہ قبضہ کیا بعد میں اپنی لفاظی کو اتنی مہارت کے ساتھ بنا سنوار کے عراقی تریاق کے نام سے عامۃ الناس کے سامنے پیش کیا کہ جہالت کے حبس زدہ ماحول میں دم توڑتی اور سسکتی انسانیت نے اس زہر کو ہی "آبِ حیوان" جان کر نوش کر لیا۔ اور ------- جب ساماریت کی بادِ سموم نے ختم نبوت کے گلستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، مجوسی شنویت کے زاغ و بوم نے صحابیت کے رفیع القدر گنبد پر قبضہ کر لیا۔ اور ساسانیت کے سنپیوں نے "آل واولاد" کے بہروپ میں کامیابی حاصل کر لی تو---- اس کے بعد "عراقی تریاق" کے زہریلے اثرات اس امت مسلمہ کے تن واحد سے، رنگ و نسل، قوم و قبائل کے ناسور کی صورت میں پھوٹ پڑے۔ اتنی بڑی کامیابی تو معلم الملکوت کو بھی حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ واہ رے حضرتِ انسان! اکم رحمن زیادہ شیطان

سینہ ہا از محمدؐ داغ داغ

اور آج ان داغوں سے پھوٹنے والی مصنوعی چکا چوند رنگینیوں نے حبل اللہ کے روشن وجود کو تعصبات کی تاریکیوں میں دھکیل پھینکا ہے۔ تحریف و تکذیب کے ابواب میں "لاریب" کے مفہوم کو تفسیر کے ابہامی اثبات کی صورت دیگر تحریفات کا جو دروازہ کھولا گیا اس میں ہر ایرا غیرا نتھو خیرا شنویت زدہ ساسانی ذہن مفسر بن گیا۔ اور شانِ نزول کے پردے میں بیٹھ کر تاویلاتی تضادات کے وہ اہرام تعمیر کر دیئے جو بظاہر تو بڑے پر شکوہ معلوم ہوتے ہیں۔ مگر بباطن محض منطقی خرافات کا پلندہ ہیں۔

اسی مختون ساسانیت کے پروردہ اذہان نے محدثین کے روپ میں اقوالِ حسنِ مجسمؐ کی آڑ میں مغازی و ملاحم اور تفضیل و فضائل کے ہمالیہ تراشے جو محض موضوعات کے ڈھیر ہیں۔ اسی مختون شنویت نے جب مؤرخ کا روپ دھارا تو ایک طرف

(۱) نواسۂ رسولؐ کو انکے چچا اور ماموں کے ہاتھوں قتل کروا دیا۔

(۲) مرادِ رسولؓ کے ہاتھوں بہن اور بہنوئی کو پٹوا دیا اور اسے سفاک اور جلاد طبع انسان کے روپ میں پیش کر دیا۔

(۳) قسطنطنیہ کے عظیم الشان جرنیل اور فتی العرب کی مغفرت کو لعنت میں تبدیل کر دیا۔ اور من گھڑت

وضعی الزامات کی گرد میں انکے حقیقی نقوش کو ڈھانپ کر رکھ دیا۔

(۴) ام المومنینؓ کے پیچھے اوباش کے کتے جاگتے دکھائے گئے۔

(۵) مریدِ رسولؐ کے گرد افسانوی جال تن کر اسکی اصل شخصیت ہی کو مابہ النزاع بنا دیا۔

(۶) اللہ کی تلوارؓ پر ذوالفقاریت کا زنگ چڑھا دیا۔

اور دوسری طرف جب محدث و مفسر کا بہروپ بدلا تو ساماریت کا حق نمک ادا کرتے ہوئے اسرائیلیات کو مختون صورت میں اس طرح پیش کیا کہ اسکی تاخت و تاراج سے حدیث تو در کنار قرآن بھی محفوظ نہ رہا۔ حتیٰ کہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی بلندیوں پر ایک اور لایعنی وجود مسلط کر دیا گیا۔ (مسجد اقصیٰ کی بخت اول کا بانی مرادِ رسولؐ اور بخت آخر کیلئے سادات بنی امیہ کے مقدس ہاتھ---- اور بغض کو ان سبھی سے اللہ واسطے کا عناد ----- پھر بھی حرمتِ بیت المقدس کا شور و غوغا----- کیا کہیں اس آڑ میں ہیکل سلیمانی کا احیاء تو مقصود نہیں----)

ازدمِ او کعبہ را گل شد چراغ

تیسری طرف اسی مختون اہرمنیت نے جب فقیہ کا لبادہ اوڑھا تو "تو ژمنا" کے بشتوں سے ظن، قیاس اور گمان کے ہشت پہلو سنگریزوں سے وہ خوش رنگ بھول بھلیاں عمارت تعمیر کر ڈالی کہ امت مرحومہ میں، اس پیچ در پیچ عمارت کے حسین پیچ و خم سے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرنے کی خواہش بھی باقی نہ رہنے دی۔

یہ تو وہ ظاہر ہے جسکے باطن کے اتنے لاکھوں رنگ ہیں کہ کسی کی حیات مستعار کے شب و روز بھی ان کا شمار کرنے سے قاصر ہیں۔ آخر چودہ صدیوں کے بوجھ تلے دفن سو سال کا اپنا بھی تو ایک باطن ہے۔ گو معدودے چند مجاہدوں نے اس بحر میں غواصی تو کی مگر کچھ تو اس حیات مستعار کی قید سے طبعی طور پر آزاد ہو گئے اور کچھ سخت جانوں کو غیر فطری انداز میں اپنی راہ سے ہٹا دیا گیا گو ان کے نقشِ پا بذاتہ مینارۂ نور ہیں۔ اور رہیں گے۔ انشاء اللہ اکبر و کبیرا۔

روایات کے اس تاریک گنبد تلے شنویت و ساماریت اور ساسانیت و مجوسیت کے "زند رہا" یہ وہ نگے جو کہیں تو اپنی خواہشات کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے پڑے ہیں۔ اور کہیں حالات کے ہاتھوں اس پر اپنے مقدرات کے نوشتے پڑھ رہے ہیں۔ وہ ان روشن نقوشِ پا کو کبھی کبھار دیکھ تو لیتے ہیں۔ مگر روایات کی ظلمت نے ان کی بصیرت سے وہ مادہ ہی چھین لیا ہے جو تفکر، تدبر، شعور اور عقل کا منبع ہوتا ہے۔ اب آیئے ذرا اس باطن کی ممنوعہ سرزمین کیطرف پا بہ رکاب ہوتے ہیں۔ جہاں اس باطن کے ظواہر کی ایک نئی دنیا آباد ہے۔ اسی سرزمین کے طول بلد اور عرض بلد کی تعداد علم انسانی کے تخیل اور وہم و گمان سے بھی ماورا ہے۔ اگر "علم" کے معنی جاننا ہیں تو "جاننے" کے معنی ہرگز "علم" نہیں۔ یہی صورت حال کچھ یہاں بھی ہے۔ اس سرزمین کا ہر باسی اپنے اپنے "محسوسات کا اسیر ہے" بالکل اسی سولہ سالہ دوشیزہ کیطرح جو اپنی شبِ زفاف کے بعد اگلی صبح کو اپنی ہمجولیوں کو آنکھوں ہی

آنکھوں میں یہ پیغام تو دے سکتی ہے کہ وہ سب جانتی ہے مگر اپنی زبان سے کچھ نہیں کہہ پاتی اس لئے اس پیغام کو وہی سمجھ بھی سکتی ہیں جو اس حسین تجربے سے گزر چکی ہوں، ورنہ ناتجربہ کار تو محض گونگے کیطرح دوبار مسکرا کر رہ جاتی ہیں۔

محسوسات کی یہ کائنات حرف کی نعمت سے بانجھ اور لفظ کی دولت سے محروم ہے۔ اور ہر باطنی گونگا۔ کہ وہ اپنے محسوسات کے اظہار کیلئے الفاظ کی تخلیق سے ہی محروم ہوتا ہے اور اگر کوئی کوہکن اپنی باطنی کیفیات کی سنگلاخ چٹانوں میں مفہوم کی کسی جوئے شیر کو کھودنے کیلئے ظاہر کے مروجہ الفاظ کا تیشہ استعمال کرنے کی کوشش کرتا بھی ہے تو اسکی تمام سعی و عمل کے نتیجے میں بہنے والی اس جوئے شب رنگ میں ایک سلیم الفطرت خواص سالک کو تحریف قرآنی کے تربیت یافتہ ہنگ، موضوعاتی فضائل کے پروردہ مینڈک اور ظن و قیاس کی کیچڑ میں لت پت خراطین کے علاوہ جب اور کچھ بھی نہیں ملتا۔ تو وہ الحاد کی تاریک وادیوں میں اپنے آپ کو بھٹکنے پر مجبور پاتا ہے اسی باطن کے اور دوسرے ظواہر بھی اسی خصوصیت کے حامل ہیں۔ باطنیت کا یہ دام ہمرنگ اپنے خارج میں اتنا حسین نظر آتا ہے کہ بڑی بڑی عظیم ذہانتیں اس کم نصیب شہباز کیطرح اس فتراک کا نخچیر بن کر رہ جاتی ہیں۔ جو بوقت پرواز زمین پر بکھرے دانوں کو تو دیکھ لیتا ہے۔ مگر اس جال کو نہیں دیکھ پاتا جو اسکی ذہنی غلامی اور جسمانی اسارت کا باعث بن جاتا ہے اور نتیجۃً جب مکار شکاری اپنے جال کو کھینچتا ہے تو اس وقت اسے اس جال کے داخل میں موجود فریب کا احساس ہوتا ہے۔ پل کے نیچے سے گزر جانے والا پانی تو واپس لوٹ سکتا ہے۔ مگر اس کم نصیب کی پھڑپھڑاہٹ اسے آزادی نہیں دلا سکتی، پھر بے یقینی کا ایک طویل دور اسے بے بسی کے آنسو بہانے پر مجبور کر دیتا ہے اور آخر کار اپنی تمام تر ذہانتوں کی قوت سمیت وہ کم نصیب شہباز گھاگ شکاری کی مکاری کا بتدریج عادی ہو کر رہ جاتا ہے حتی کہ وہ وقت بھی آ جاتا ہے کہ شکاری کے ایجاد کردہ اندھیارے کو اپنی چشم بصیرت پر چڑھا کر اطمینان محسوس کرتا ہے۔ اس کم نصیب اسیر کو اس اندھیارے سے اگر کبھی عارضی طور پر نجات ملتی بھی ہے تو اس میں بھی اسکے نجات دہندہ کا ذاتی مفاد پوشیدہ ہے اور ایک لمبے وقت کے بعد وہ اسیر، ان مکار ہاتھوں کو ہی اپنا امین سمجھ لیتا ہے۔ جو اسکی غلامی اور اسارت کا باعث بن چکے ہوتے ہیں۔ یہی ہے طریق کہن کہ نہیں ہیں جسکے روز و شب۔

کہ درویشی سے سلطانی تک سب عیاری و مکاری

بے چارہ عام قاری کہیں حنفیت کا شکار کہ ابو یوسف، محمد شیبانی اور زفر کی تثلیث میں زاویہ حادہ کا کردار بن جانے پر مجبور ہو گیا کہیں شافعیت کی تفضیلیت کا نخچیر ہو کر رہ گیا اور جو باقی بچا تو "علی ولی اللہ" کا پجاری ثابت ہوا۔ غرضیکہ "دین" کے تمام حسن پر "تقلید" کی کیچڑ تھوپ کر اسے مذہب کا بدصورت بھوت بنا کر رکھ دیا گیا۔

ایسے کتنے ہی ذہین اور حسین شاہین ان کرگسوں کی تخلیق کردہ رہبانیت کے فریب کھا کھا کر صداقت، عدالت اور امامت و شجاعت کی راہ و رسم شہبازی کو بالکل بھول چکے ہیں۔

رہبانیت کے یہ داعی اگر ایک طرف "جہاد" کی نفی کے مدعی ہیں تو دوسری طرف حسن مجسم اور رحمۃ للعالمین کی تیئیس سالہ شبانہ روز کاوشوں کا ماحصل صرف اور صرف ایک فرد کی ذات کو ٹھہراتے ہیں کہ ان کے اس فعل کے ایک پہلو سے تو لفظ رحمت کی نفی لازم آتی ہے اور دوسرا پہلو تکمیل دین حنیف کی تنقیص کرتا ہے۔ باطنیت کا یہ گوشہ انتہائی خوفناک کہ اسکا خارج تاریک اور داخل تاریک تر------

تیرے یہ سادہ دل بندے کدھر جائیں

کہ پیچھے پہاڑ اور آگے کھائی رہبانیت کے داعی، چہار ترک کے اس فعل کی تاویل میں ایک داخلی روشنی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ بظاہر تو یہ ایک بے ضرر بلکہ قابل تقلید فعل نظر آتا ہے کہ ایک انسان ان دیکھی حقیقتوں کی جستجو اور آسمانی قربتوں کی تلاش میں یا تو اندھیرے غاروں کو اپنا مسکن بناتا ہے۔ یا پھر ویران بلندیوں پر ڈیرہ جما لیتا ہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں سے کٹ کر قربتوں کی جستجو اور نامعلوم حقائق کی تلاش کا فعل کہیں تخلیق انسانی کے دعوتی مقصد کی نفی تو نہیں کرتا۔ اور ظاہر ہے کہ ان تمام تر نعمتوں کا کفران لازم آتا ہے۔ جنکے لئے رب ذوالمنن نے خطۂ ارضی کی تخلیق فرمائی۔

حیات انسانی جدوجہد سے عبارت ہے اور اس امر کی متقاضی ہے کہ فطرتِ انسانی، تجربے اور مشاہدے کے دو کناروں کے درمیان بہنے والی نرم رو جوئبار میں تدبر و تفکر کی کشتی پر سوار ہو کر علم و قلم کے وجود کا مشاہدہ کرے اور عدم کے تجربے سے بھی اس حسن و خوبی سے گزر جائے کہ کفِ زیاں کی پشیمانی اسکی پیشانی سے ہویدا نہ ہو۔ مگر رہبانیت، اول تو علم و قلم سے انسان کا ناطہ منقطع کروا دیتی ہے۔ ثانیاً، جدوجہد کے پتوار اسکے ہاتھوں سے چھین لئے جاتے ہیں۔ ثالثاً، تدبر و تفکر کے سفینۂ دعوت کو سبوتاژ کر دیا جاتا ہے۔ اور پھر رابعاً اسکی قرآنی بصیرت کے سامنے غشاوۃ کی خوش رنگ سد سکندری تعمیر کر دی جاتی ہے۔ نتیجۃً جو گونگی اور بہری بے عملی وجود میں آتی ہے۔ وہی اس متصوفانہ رہبانیت کا منتہائے مقصود ہوتی ہے کہ انسان جب عدم کے تجربے سے گزرتا ہے تو وہ------

مر گئے مردود کفن نہ درود

کیونکہ رہبانیت کے داعی تو رب لایزال کو ایک سجدے کے عوض اور حسن مجسم کو محض درود و صلوٰۃ کے بدلے میں خرید لینے کی تعلیم دیتے ہیں۔ انکی تعلیمات میں جدوجہد کا عنصر سرے سے موجود ہی نہیں، پھر کس کا مشاہدہ اور کہاں کا تجربہ---؟ فاعتبرو کے منطوق و مفہوم---- اولی الابصار کہیں ہوں بھی تو سحر سامریت و ثنویت کی اس بانجھ و عقیم سرزمین پر بصیرت کے پودے کا وجود ہی ناممکن، تو پھر صاحبِ بصیرت آئیں بھی کہاں سے، جو تجربے کی حسین وادی سے گزرنے کی کوشش کریں۔ یہ موضوع بھی دوسرا ہے کہ حسین تجربے طبقہ اناث کے حسن کیطرح ہوتے ہیں۔ جن میں قدر مشترک صرف ایک ہوتی ہے اور وہ ہے حسن البتہ ان میں سے گزرنے کا عمل۔ اس عمل کا ذائقہ ہمیشہ مختلف ہوتا ہے۔ یہاں

قدح اور قدح خوار دونوں کا ظرف کہیں، شاکر، ہے اور کہیں "کافر" اور------ ورنہ یہ وعدہ کسی دو ٹکے کا نہیں
یہ فیصلہ------ "انا ھدینٰہ السبیل اما شاکراً و اما کفورا"------

کہ------ "اذا سالک عبادی انی فانی قریب------" کے مفہوم کو بھی ہم کسی روٹی کپڑا اور مکان کے وعدے سے ہم آہنگ کرنے کی جسارت کریں اور نتیجۃً------ ومالکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر۔ کی وعید سنا کر دھتکار دیے جائیں۔ کہ اس دن "ارباباً" من دون اللہ کی صورت میں انجام کو پہنچ چکا ہوگا۔ اور یہ تناظر ہے اس کتاب کا جس کے روایتی حسنِ ظاہری کی تہوں میں پوشیدہ باطنی غلاظتوں اور ساسانیت آلود قباحتوں کو اگلے صفحات میں اس لئے پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ آپ "بو" کے "خوش" اور "بد" ہونے میں اپنی بصیرت کی قوت شامہ کو بروئے کار لا سکیں۔

وقت اور فرد کے دو غیر متوازی خطوط کے مقامِ اتصال کا نام ہی تیغِ عزائم ہے۔ نتیجۃً تخلیق ہونے والا زاویہ محض "حادہ" اور اگر کسی من چلے نے اس "حادہ" کو "قائمہ" میں بدلنے کیلئے جدوجہد کا آغاز کیا بھی تو وہ وقت کے زبردست ہاتھوں ہی اپنے منطقی انجام کی "ریگ رواں" میں غرق ہو کر رہ گیا۔ الا یہ کہ کوئی صاحبِ عشق و جنوں اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر مجسم جذبہ بن کر، پروفیسر عبدالمقیت کا کردار کیطرح آتشِ نمرود میں کود پڑے اور دوسرے کے دکھوں کی بھاری بھرکم صلیب کو اپنے کندھے خود ہی رکھ دے۔ خواہ ظاہری تناظر میں یہ کندھے کتنے ہی نحیف و نزار کیوں نہ ہوں۔

یہ کرم عظیم ہے اس کریم مطلق اور احسانِ عمیم ہے۔ اس رب ذوالمنن کا------ اور در حقیقت جزائے حقیقی ہے بھی تو اسی صاحب المن والاحسان کے ہاتھ میں۔ ورنہ عبد کے------ لئے تو محال ہے کہ وہ عبدیت اور عبودیت کی سرحدیں پار کر سکے۔ وہی ہے------ جسے چاہے اپنی نگاہ ناز سے آشنائے راز کرے۔

ربنا اتمم لنا نورنا------ آمین یا الٰہ العالمین

جلاالعیون

اس وقت آپ کے ہاتھ میں جلاء العیون کے چند اقتباسات ہیں۔ اس کے مصنف خاتم المفسرین رئیس المحدثین حضرت علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں۔ اصل کتاب فارسی میں ہے۔ اس کا ترجمہ فاضل جلیل مولانا سید عبدالحسین نے کیا ہے۔ اور اس پر مقدمہ اور حاشیہ لکھنے والے ہیں عالیجناب سید الواعظین، رئیس المتکلمین زبدۃ العلماء، فاضل جلیل جناب ابوالبیان مولانا السید ظہور الحسن صاحب قبلہ کوثر بھریلوی خطیب شیعہ ملتان۔ اور شیعہ جنرل بک ایجنسی اندرون موچی دروازہ لاہور نے اسے شائع کیا ہے۔

زیر نظر کتاب میں تمام اقتباس اسی سے لئے گئے ہیں۔

شیعہ مذہب کی کتب میں باوجود تضادات ہی تضادات کے ایک بات مشترک طور پر مسلمات کا درجہ رکھتی ہے۔ یعنی ان کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھو کسی روائیت کے بیان کرنے سے پہلے مصنف ضرور لکھے گا۔ بسند معتبر معلوم ہوا ہے۔

جلاء العیون بھی اسی قسم کی معتبر اسناد کا پلندہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام کتاب میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جس کے متعلق متعدد متضاد روایات موجود نہ ہوں۔

ذرا کوثر بھرلوی سے بھی تعارف ہو جائے۔

کوئی صاحب سید ابراہیم تھے والد ماجد کا نام معلوم نہیں۔ (الہام سے سید بن گئے) آپ زید شہید بن امام زین العابدین کی اولاد سے تھے (یہ وہی زید ہیں جو محمد باقر کی امامت کے منکر تھے اور رافضیوں نے ۱۲۳ھ میں امیرالمومنین ہشام بن عبدالملک اموی کے خلاف خروج کرا کے قتل کرایا۔ سب سے پہلے انہوں نے ہی اپنے ساتھیوں کو ارفضتمونی کہہ کر رافضی کا خطاب عطاء فرمایا۔)

الحاج سید ابراہیم کے دو بیٹے تھے جن کے نام معلوم نہیں۔ (ابراہیم کے باپ کا نام معلوم ہے نہ بیٹوں کا) ایک لاولد مر گیا۔ جہاں انہوں نے رہائش رکھی وہ جگہ فتح پور کہلائی۔ معلوم نہیں جنہوں نے فتح پور آباد کیا وہ ان کے بیٹے تھے یا پوتے۔ ان کے ایک بیٹے کا نام فتح محمد تھا۔ (نام میں حسین یا شاہ کا الحاق تقیہ کے باعث ترک کر دیا ہوگا۔ عورتوں کی نحوست کی وجہ سے رہائش ترک کر کے بھرلی آ گئے۔ فتح محمد کی اولاد کی صحیح تعداد معلوم نہیں۔ مشہور چار ہوئے۔ شریف اللہ۔ نتھن شاہ۔ (ان چار میں سے بھی دو کا نام معلوم نہیں) ان چاروں کے نام پر چار محلے آباد ہوتے۔ محلہ شریف اللہ محلہ نتھن شاہ۔ محلہ چلڈراں۔ محلہ پوستیاں۔ (واضح ہے کہ دوسرے دونوں کے نام چلڈر شاہ اور پوستی شاہ ہوں گے۔) محلہ چلڈراں کسی سبزواری سید کی وجہ سے محلہ سبزواریاں بن گیا۔

(یہاں قابل غور امر یہ ہے کہ ایک مسکین سید ایک قصبہ میں مہاجر کی حیثیت میں پہنچتا ہے اور تمام گاؤں کے محلے اس کے نام سے موسوم ہو جاتے ہیں

بھرلی سے چلڈر سادات ہجرت کر کے کسی نامعلوم مقام پر چلے گئے۔ فتح محمد کے اس بیٹے یعنی محلہ پوستیاں والے کے پانچ بیٹے تھے جو پانچ بھینوں کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان پانچوں کے والد دو بھائی تھے۔ (کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی) ایک کی اولاد پانچ بھینے اور دوسرے کی اولاد پوستی سادات۔ ان میں سے ایک سادات فضلو تھے۔ ایک کی اولاد پوستی سادات دوسرے کی اولاد سادات سوندو۔ تیسرے کی اولاد سادات ارڑے اور چوتھے کی اولاد موجو۔ (فضلو، سوندو، ارڑے، موجو) کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے) اسی موجو کی اولاد سے سید ظہور الحسن کوثر ہیں۔

جلاء العیون میں آپ کے تفصیلی حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فاطمین مصر اور نوابان اودھ کی طرح آپ نے زمرہ فاطمیت میں منسلک ہونے کے لئے بڑے بڑے ہفت خواں رستم طے کئے ہیں۔ چونکہ آپ پوستی سادات کے نونہال ہیں۔ اس لئے کتاب ہذا میں یقیناً پوستی کے لقب سے ہی آپ کا ذکر ہوگا[1]

---

[1] ۔ پوستی جی راقم الحروف کے خصوصی کرم فرما ہیں۔ مکتوب مفتوح بعنوان بنات الرسول جب ڈاکٹر یاور حسین آپ کی خدمت میں جواب کے لئے بھیجا تو آپ نے بجائے نفس مضمون کے جواب کے آئیں بائیں شائیں کر کے فرزندہ کو نہایت درد مندانہ الفاظ میں نصیحت فرمائی کہ اس خبیث (راقم) کی کتابیں مت پڑھو۔

شیعہ مذہب اور تبلیغ دین

جہاد سیفی کیطرح جہاد قلمی بھی حرام ہے

شیعہ مذہب میں قبل از ظہور امام غائب جہاد سیفی کیطرح جہاد قلمی بھی ممنوع اور مجاہد ملعون ہے۔ چنانچہ مجلسی نے بحار الانوار میں احادیث رسول و آئمہ اس کے متعلق نقل کی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مباحثہ کرنا انبیاء و آئمہ کے سوا اس لئے دوسروں کا کام نہیں بلکہ ناجائز اور حرام ہے کہ وہ نہ حجت منصوب من اللہ کو پہچانتے ہیں نہ ضعیف شیعوں یا اہل باطل کے حق میں فتنہ ہونے سے بچ سکتے ہیں۔ اور اس لئے بھی ناجائز ہے کہ جہاد بالقلم سے اظہار دین شیعہ ہوتا ہے۔ حالانکہ شیعوں کے ہاں اظہار دین کی ممانعت ہے۔ اور اخفائے دین کا حکم ہے۔ جیساکہ اصول کافی میں امام جعفر صادقؑ کی حدیث ہے۔

انکم علی دین من کتمہ اعزہ اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ

(صفحہ ۴۸۵) تم اس دین پر ہو جس نے اسے پوشیدہ رکھا۔ اللہ نے اسے عزت دی اور جس نے اسے ظاہر کیا اللہ نے اسے ذلیل کیا۔

کفوا عن الناس ولا تدعوا احداً الی امرکم

(اصول کافی صفحہ ۹۵) تم اپنے دین کو پوشیدہ رکھو اور کسی کو اپنے کاموں سے واقف نہ کرو۔ یعنی اپنے دین کو پوشیدہ رکھو۔

یہاں قطع نظر اس امر کے کہ حرام کاموں کے ارتکاب کرنے والے کون ہیں اس بات کی طرف توجہ کیجیے کہ نبی اکرمؐ کی وفات کے وقت سوائے تین چار افراد

کے سب مرتد ہو گئے تھے۔ انہوں نے بھی اپنے دین کو پوشیدہ رکھا یہاں تک اگر ان میں سے ایک آدمی دوسرے کے ایمان پر مطلع ہو جاتا تو کافر ہو جاتا[1] اور یہ حکم بھی موجود ہے کہ اگر سنی شیعہ شود حکم کافر اصلی دارد کہ قضائے روزہ برادواجب نیست۔ (حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۳۰۲، ۳۶۲ جلد ۳ صفحہ ۴۷، ۴۹، ۵۲، ۹۷ حق الیقین صفحہ ۱۲۳

اور اسی حق الیقین کے صفحہ ۲۸۶ پر تو ایسی ناپاک بات لکھی ہے۔ جسے نقل کرتے بھی حیا دامنگیر ہے۔ اب شیعہ خود اپنے حق میں فیصلہ کریں کہ نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت تین تو کجا بقول مصنف مجالس المومنین تمام بنی ہاشم مرتد ہو گئے۔ پھر تبلیغ بھی حرام قرار دی گئی۔ اگر بحیثیت امام سیدنا علیؓ یا حسینؓ نے تبلیغ کی تو اس کا کوئی ثبوت دنیا بھر کی کسی کتاب میں موجود نہیں۔ کہ ان کے ہاتھ پر اتنے لوگ شیعہ ہوئے تو آج یہ کروڑوں شیعہ کہاں سے آگئے۔ اگر آئمہ کرام کی تبلیغ سے اسلام لائے بھی ہوں تو وہ حکم کافر اصلی میں شامل ہیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر عدد ایشاں بہ سہ صد و سیزدہ کس بابت اجتماعی رسد امام ظاہر میشود (صافی شرح اصول کافی باب پنجم کتاب الحجہ صفحہ ۳۵) یعنی جب ۳۱۳ مومن مخلص پیدا ہو جائیں گے تو امام مہدیؑ ظہور فرمائیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ کروڑوں ابھی تک بحکم کافر اصلی میں شامل ہیں۔

[1] ملاحظہ ہو حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۶۰۰، کتاب اختصاص بروایت امام جعفر (صادقؑ)

رہا امام مہدی کے ظہور کا وقت تو سنیئے اصول کافی میں کیا ارشاد ہے جب قتل کیا (شیعوں[1] نے) حسین علیہ السلام کو تو زمین والوں پر اللہ کا غضب بڑھ گیا۔ اور خدا نے ظہور مہدی کے وقت کو ٹال کر ایکسو چالیس ہجری مقرر کیا صـ ۲۳۲ ظہور مہدی اور اس کے لئے ۳۱۳ مخلص مومنین کی شرط پیش کر کے شیعان علیؓ کے تمام مومنانہ دعاوی پر پانی پھیر دیا۔ آج ۱۴۰۱ ہجری ہے اور اس بھری دنیا میں ۳۱۳ مومن بھی نہیں۔ آج کروڑ ہا مومن ہر روز قائم آل محمد کی زیارتیں پڑھتے صلوٰۃ بھیجتے ان کو مخاطب کر کے گڑگڑاتے اور آہ وزاری کرتے ہیں۔ مگر امام آخر الزمان کے متعلق کیا خیال ہے کہ ابھی تک کسی غار سے جھانک کر بھی باہر نہیں دیکھتے۔

عـ۱ ۔ اگر یہاں کوئی منچلا شیعہ مبلغ اپنے حواریوں کو مطمئن کرنے کے لئے یہ کہے کہ حسینؓ کے قاتل سُنی ہیں۔ تو اس کا یہ افترا اور بہتان آج تک اس نے جس قدر کذب و افترا سے کام لیا ہے۔ سب سے بڑھ کر ہے۔ اگر قاتلین حسینؓ سنی تھے تو اللہ تعالےٰ کو فوراً امام قائم بھیجکر سنیوں کو سزا دینی چاہیئے تھی۔ وہ تو شیعان حسینؓ پر ناراض ہو کر امام قائم کر کے ظہور کا وقت مؤخر کر رہا ہے۔ کہ ابھی اور گناہ کرو اور جھوٹ بولو تاکہ ذلت و رسوائی کا مزہ چکھو۔ جب تم اپنے میں سے ۳۱۳ مخلص پیدا کر لو گے تو ہم امام کو ظاہر کر دیں گے۔

لعنت، تبرّا اور سبّ

مجلسی نے تمام کتاب میں اپنے مزعومہ آئمہ کے مزعومہ مخالفین کا جہاں بھی ذکر کیا ہے۔ ان کے ناموں کے ساتھ ملعون، لعین، منافق، شقی، مشرک کافر وغیرہ الفاظ کا بے دریغ استعمال کیا ہے۔

شیعہ مذہب کی اہم ترین کتاب جو امام غائب کی بایں الفاظ مصدقہ ہے۔ الکافی کاف لشیعتنا" کافی ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے۔ اس میں واضح طور پر مرقوم ہے۔

۱۔ سباب المومن[1] فسوق وقتالہ کفر۔ صفہ ۵۴۷ کسی مسلمان کو سب کرنا گناہ کبیرہ اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔

۲۔ لاتسبوا الناس فتکسبوا لعداوۃ بینہم صـ ۵۳۸ لوگوں کو سب مت کرو۔ اس سے تمہارے درمیان عداوت پیدا ہو جائے گی۔

۳۔ ان اللعنۃ اذا خرجت من صاحبہا ترددت فان وجدت مساغاً والا رجعت علیٰ صاحبہا صـ ۵۴۷ کلمہ لعنت جب کسی کے منہ سے نکلتا ہے۔ وہ متردد رہتا ہے۔ اگر راستہ مل گیا تو فبہا ورنہ یہ لعنت کرنے والے پر لوٹ کر واقع ہوتی ہے

عـ۱ ۔ مومن کے لفظ کے متعلق شاید شیعہ علماء کہیں کہ اس سے مراد شیعہ ہیں بجا فرمایا مگر مامون وغیرہ جن کے ناموں کے ساتھ مجلسی ملعون، ملعون کی گردان سے تھکتا نہیں۔ وہ تو بقول شوستری اور مؤلف احتجاج طبرسی شیعہ تھا۔ اس صورت میں مجلسی والا رجعت علیٰ صاحبہا کا مصداق ہے یا نہیں۔

۴ - عمدۃ البیان میں ولا تسبوا الذین کی تفسیر کے تحت لکھا
ہے ۔ کسی کو برا نہ کہو ورنہ وہ تمہارے بزرگوں کو برا کہیں گے
تلخیص جلد ۱ ص ۳۶۶
اب فیصلہ شیعوں کے ہاتھ میں رہا کہ وہ خود مجلسی کو کیا کہتے ہیں

۵ - شیعوں کی معتبر کتاب جامع اخبار میں ہے ۔
قال النبیؐ من سبنی فاقتلوہ ومن سب اصحابی
فاجلدوہ
نبی علیہ السلام نے فرمایا جو شخص مجھ کو گالی نکالے اس کو قتل کردو
اور جو شخص میرے اصحاب کو گالی نکالے اسے کوڑے مارو ۔

۶ - اخرج العقیلی عن انس قال، قال النبی ان اللہ اختارنی
واختارلی اصحاباً واصہاراً وانصاراً وسیاتی قوم
یسبونھم و ینتقصونھم فلا تجالسوھم ولا
تشاوروھم ولا تواکلوھم ولا تناکحواھم
ترجمہ - فرمایا نبی علیہ السلام نے تحقیق خداوند کریم نے مجھ کو برگزیدہ کیا
تمام مخلوقات سے اور برگزیدہ کیا میرے لئے میرے اصحاب،
اصہار اور انصار کو ۔ ایک قوم آئے گی اور گالیاں نکالے گی ان کو
اور ان کے نقص بیان کرے گی ۔ پس تم اس قوم کے ساتھ نہ مل بیٹھو
اور نہ ان کے ساتھ مشورہ کرو ۔ اور نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ ۔ اور نہ
ان کے ساتھ ناطہ داری کرو (اصہار سسرال کی رشتہ داری کو
کہتے ہیں ۔)

۷ - ابن عباسؓ نے فرمایا کہ فرمایا نبی علیہ السلام نے آخر زمانہ میں ایک قوم

ہوگی جس کا نام رافضی ہوگا ۔ اور وہ اسلام کو چھوڑ دے گی ۔ پس تم اس
قوم کو قتل کرو کیونکہ وہ مشرک ہیں ۔

۸ - حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی علیہ السلام نے میرے
بعد جلدی ایک قوم ہوگی ۔ جن کو رافضی کہا جائے گا ۔ اے علی اگر تم
اس قوم کو پاؤ تو ان کو قتل کرنا ۔ کیونکہ وہ مشرک ہیں ۔ حضرت علی
رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ! ان کی کیا علامت
ہوگی ۔ آنحضرت نے فرمایا ۔ کہ تیرے اوصاف ایسے بیان کریں گے ،
جو تیرے میں نہیں ہیں ۔ اور تجھ پر طعن کریں گے ۔ اور ایک روائت
میں ہے کہ قسمیں اٹھائیں گے ۔ کہ ہم کو اہلبیت کافی ہیں ۔ حالانکہ وہ ایسے
نہ ہوں گے ۔ (دار قطنی)

۹ - اسی قسم کی ایک روائت اطواق الحمائیۃ میں یحییٰ بن حمزہ زیدی شیعہ
نے بیان کی ہے ۔ جس کا ترجمہ یہ ہے ۔ کہ فرمایا نبی علیہ السلام نے
تحقیق اللہ تعالٰے نے مجھ کو برگزیدہ کیا اور میرے لئے میرے اصحاب کو
برگزیدہ کیا ۔ ان میں سے بعض کو وزیر بنایا ۔ بعض کو اصہار بعض کو
انصار ۔ پس جس نے ان پر سب کی پس اس پہ اللہ کی فرشتوں کی اور
تمام انسانوں کی لعنت اور قیامت کے دن اللہ تعالٰے ان سے کچھ بھی
قبول نہیں کرے گا ۔

آئمہ رب ہیں

حضرت امام باقر علیہ السلام نے ابو بصیر سے ارشاد فرمایا جس کو یہاں پر کتاب صیانت البدایہ مصنف علامہ نور اللہ[۲] عماد الدین ابو الفاضل اشریف الکرمانی الحنفی الطائفہ جلد اول ص ۱۹۵ سے تحریر کرتے ہیں۔ جس سے ولایت اہل بیت یعنی خلقت مخلوقات پر شہید بیت روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گی۔

اس ابو بصیر اور زرارہ کے متعلق رجال کشی کا مصنف "لعنۃ اللہ" لکھ کر ان کی مومنیت کی گویا تصدیق کرتا ہے۔

(ص ۱۰۱)

۲ یہ صاحب تقیہ کے حنفی نظر آتے ہیں۔ اور ان جیسے ہزاروں رافضی مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے اہل سنت بنے رہے۔ نور اللہ شوستری ساری زندگی اہل سنت بنا رہا۔ چنانچہ وہ مجالس المومنین میں لکھتا ہے کہ علمائے شیعہ بوجہ اقتدار و تسلط مخالفین و غلبہ و منافقین ہمیشہ گوشہ تقیہ میں چھپے رہے۔ اور اپنے کو حنفی یا شافعی ظاہر کرتے رہے۔ علامہ حلی منہج الکرامہ میں رقمطراز ہے۔ ہم نے بہت سے ایسے لوگ دیکھے ہیں۔ جو باطن میں مذہب شیعہ رکھتے ہیں مگر بوجہ حب دنیا و طلب ریاست اس کو ظاہر نہ کرتے تھے۔

بحوالہ النجم لکھنؤ ص ۵۱، ۷، ۲۱ ماہ رجب ۱۳۴۶ ہجری

اے ابو بصیر یعنی ہم ہیں رب[۱] عرش و کرسی کے۔
اور ہم ہیں رب آسمان اور زمین کے
اور ہم ہیں رب انبیاء اور ملائیکہ کے اور ہم ہیں رب لوح و قلم کے اور ہم ہیں رب جنان اور حور العین کے اور ہم ہیں رب شمس و قمر کواکب اور حجابہائے قدس و جلال و سرادق عظمت و کمال کے اور ہم ہیں سب چیزوں کے رب اور خداوند کریم رب الارباب ہے۔ ابو بصیر نے عرض کیا یا ابن رسول اللہ میں قربان جاؤں آپ کے اوپر کیا آپ رب ہیں ہمارے کھول کر فرمائیے۔

فرمایا! ابو بصیر رب کے معنی ہیں مالک اور مربی کے۔۔۔

نیز اے ابو بصیر خدا نے اپنے کلام اقدس میں امام کو رب فرمایا ہے واشرقت الارض بنور ربہا اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائیگی یہاں نور رب سے مراد نور امام حجت ہے نہ نور خدا۔۔۔۔۔

۱ رب اصل میں مصدر ہے جس کے معنی ہیں پالنا، پرورش کرنا، پھر بطور مبالغہ کے یہ مصدر صفت کے معنی میں آنے لگا۔ اور رب کے معنی ہیں پروردگار اور پالنے والا۔ یہ اللہ کے ناموں میں سے ایک صفتی نام ہے جو کسی غیر اللہ پر نہیں بولا جاتا۔ محققین علماء نے لکھا ہے۔ کہ اصل میں ربوبیت کے معنی ہیں تدریجی طور پر کسی شئے کو ادنیٰ درجے سے اس کے مناسب اعلیٰ اور اکمل درجے تک پہنچانا۔ جو صرف اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے (درس قرآن مولانا احتشام الحق تھانوی بحوالہ روزنامہ جنگ ستمبر ۲۰ جلد ۱۲ نمبر ۲۲۴) بحوالہ پرویز نے کیا سوچا۔ مصنف ڈاکٹر سبطین لکھنوی ص ۶۹

اے ابوبصیر وہ نور امامت آئمہ اہلبیت رسالت تھا۔ جس کی تھوڑی سی شعاع کو حضرت موسےٰ علیہ السلام برداشت نہ کر سکے۔ اے ابوبصیر زمین اور اہل زمین کا رب امام ہے۔ جب وہ ظہور فرمائے گا۔ تو اس وقت لوگوں کو سورج کی اور چاند کی روشنی کی ضرورت نہ رہے گی۔

وسقاھم ربھم شراباً طھوراً۔

اور ان کا رب (امام) انہیں پاک شراب پلائے گا۔ سب کچھ خلاق عالم نے ہمارے لئے پیدا کیا ہے۔ اور ہماری ہی خاطر پیدا کیا ہے۔ اور مخلوق کو ہمارا جلوہ دکھانے کی خاطر موجود کیا ہے۔

نحن صنایع اللہ والخلق صنایع لنا ......

اور جناب علی علیہ السلام کے نورانی قطرات سے انبیاء و ملائیکہ پیدا ہوئے پس انبیاء و ملائیکہ ان کے نور سے ہیں۔ پس تدبیر و تربیت زمین ان کے سپرد ہوئی وہ رب السموات والارض ہیں ..... جناب حسنؓ کے نورانی قطرات سے لوح و قلم پیدا کئے ...... پس وہ رب اللوح و قلم ہیں ..... فرمایا علی علیہ السلام نے میں نے حضرت آدم کی طینت (قالب) کو چالیس روز تک اپنے ہاتھ سے گوندھ کر تیار کیا۔

ملخص از صفحہ ۲۲ تا ۲۵

مصنف جلاء العیون کیطرح دیگر متعدد شیعہ مصنفین بھی اسی قسم کے عقاید کا اظہار کر چکے ہیں۔ چنانچہ تحفہ میں ہے۔ کہ

فھو قسیم الجنۃ والنار — پس علی ہی جنت و دوزخ بانٹنے والے

لا یدخل الجنۃ الا محبوہ ولا — ہیں جنت میں صرف اس کے محب داخل

یدخل النار الا مبغضوہ (مختصر التحفہ ص ۲۰۲) — ہونگے۔ اور جہنم میں صرف اسکے دشمن

تبصرہ

ان روایات کے اقتباسات پر تبصرہ محض تضیع وقات سمجھتا ہوں۔ مگر موٹی سی دو باتیں بیان کئے بغیر آگے بڑھنے کو جی بھی نہیں چاہتا۔

۱۔ علیؓ اور آئمہ[۱] سب کے سب رب ہیں اور مخلوق بھی ہیں۔ خیر ان کا مخلوق ہونا تو آپ کی اور میری سمجھ میں آگیا۔ مگر رب ہونا ہماری دو دو ٹکے بھر کھوپڑیوں میں آنا مشکل ہے۔ جب کہ ان تمام "ربوں" میں سب سے بڑے رب کا ان شیعوں نے جو حشر کیا وہ نہایت عبرت انگیز ہے۔ ان کی کتب میں اس رب الاعلیٰ کے جو دو رُخ اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک رخ کی چند جھلکیاں آپ ان سطور میں دیکھ چکے ہیں۔ اور دوسرے رخ کی چند جھلکیاں سطور ذیل میں دیکھ لیجئے۔

میں بہانگ دہل اس بات کا اعلان کرنے میں ذرہ بھر بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی اس گھناؤنی تصویر کا ایک گوشہ بھی اہلسنت کی کتابوں میں موجود نہیں۔ آج تک اہل سنت کے کسی عالم نے اپنے کسی خطبہ یا وعظ میں اس قسم کی ہرزہ سرائی نہیں کی۔ کسی رسالہ یا اخبار میں ایسی بے ہودگی کو جگہ نہیں دی۔ ہاں جب کہیں مناظرانہ صورت پیدا ہوئی

---

[۱] اس کتاب میں امام اور آئمہ کا لفظ بار بار آئے گا۔ یہ صرف مجازاً علیٰ الحضم کے طور پر ہے۔ اس سے شیعوں کی مزعومہ امامت کا اعتراف نہیں۔ البتہ علم و تقویٰ تدین اور پرہیزگاری کی شہرت کی بنا پر امام کہہ سکتے ہیں۔ جیسے آئمہ اربعہ اور دیگر آئمہ کرام جو اہل سنت کے ہاں گزرے ہیں۔

تو وہ شیعیت کے لٹریچر سے ایسے لچر الفاظ پیش کرنے پر مجبور ہوتے ۔ اہلسنت سیدنا علی رضہ کو ان کے صحیح مقام سے خشخش بھر ادھر اُدھر نہیں جانتے اور نہ بیان کرتے ہیں ۔ سیدنا علیؓ الاوّلون میں سے تھے ۔ اصحاب بدر میں سے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردہ چچا زاد اور داماد تھے ۔ البتہ خلافت کا خاتمہ سیدنا ذوالنورین رضہ کی شہادت پر ہو گیا تھا ۔ چونکہ سیدنا علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کا انعقاد یا اجتماع نہیں ہو سکا تھا ۔ چنانچہ خود ایک شیعہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتا ہے ۔ کہ کل اہل بصرہ (حضرت علی رضہ) سے متنفر تھے ۔ اور سب قریش ان کے خلاف تھے ۔ اور جمہور خلق ان کی مخالف اور بنی امیہ کی ساتھی تھی ۔ سیدنا علی رضہ کی خلافت بلافصل کا تو ذکر ہی کیا ۔ سیدنا ذوالنورین کی شہادت عظمیٰ کے بعد آپ کے فرق انور پر تاج خلافت رکھا گیا وہ بھی نام نہاد خلافت کے سوا کچھ نہ تھا ۔ حضرات شیخین کی خلافت کی تفصیل آگے اپنے مقام پر آئے گی ؎

؎ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نام نہاد خلافت پر مشکوٰۃ المصابیح کے فوائدِ غزنویہ پر ایک نظر میں تفصیلی بحث کی

دوسرا پہلو

اب روافض کی زبان سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تعریف سنیئے ۔ میں انہیں نقل کفر کفر نہ باشد کے مصداق لکھ رہا ہوں ۔ ہاتھ کانپتا ہے دل لرزتا ہے ۔ روح ملامت کر رہی ہے ۔ ضمیر اجازت نہیں دیتی ۔ مگر اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ۔

۱ - تمام عمر مغلوب و مقہور رہے ۔ اگر رسول اللہ ان کی محافظت وصیات نہ فرماتے تو کبھی کے شہید کر دیئے جاتے ۔

۲ - ان کی دشمنی اس قدر عام تھی کہ جناب رسالتمآب ﷺ کے واصل بحق ہوتے ہی تمام مسلمان ان سے برگشتہ ہو گئے ۔

۳ - انہیں سوائے گوشہ نشینی اور اصل قرآن گم کرنے کے کوئی چارہ نظر نہ آیا ۔ (جلاء العیون)

۴ - آپ کو عید غدیر کے موقع پر خلیفہ بلافصل بنایا گیا ۔ مگر آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد تین آدمیوں کے سوا کسی نے ان کی تصدیق نہ کی

۵ - حصول خلافت کے لئے اپنی زوجہ کو گدھے پر سوار کیا اور ہر صحابی کے گھر گئے ۔ اور طالب مدد ہوئے ۔ لیکن کسی نے ان کی مدد نہ کی (صولت حیدریہ ص۸۱)

۶ - علی رضہ کی گردن میں رسی ڈال کر سر بازار گھسیٹا گیا ۔ اور ان سے بجبر بیعت لی گئی اور انہوں نے سر تسلیم خم کر دیا (جلاء العیون)

۷ - آپ کی زوجہ کو کوڑے سے پیٹا گیا ۔ یہ بدلہ نہ لے سکے (جلاء العیون)

۸ - ان کی بی بی کے شکم پر دروازہ گرایا گیا اور حمل ساقط ہو گیا ۔ مگر یہ

روک نہ سکے۔ (جلاء العیون ۲۰۷) حاشیہ صہ ۱۰۱

۹۔ قرآن کو پارہ پارہ ہوتے دیکھا لیکن کچھ نہ کر سکے۔

۱۰۔ نبی کی امت کو گمراہی میں پایا لیکن ہدایت نہ کر سکے۔ اور دوہائی دیتے رہ گئے۔

۱۱۔ کفر کو از سر نو ابھرتے دیکھا مگر کچھ نہ کر سکے۔

۱۲۔ بدعات کا فروغ دیکھا مگر بول نہ سکے۔ (اصول کافی کتاب الحجہ)

۱۳۔ ان کے سامنے شوہروں سے عورتیں چھینی گیئں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عطا کردہ معافیاں ضبط کی گیئں۔ مگر آپ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی واپس نہ دلائیں یا نہ دلا سکے۔

(کتاب الروضہ کافی صہ ۲۹)

۱۴۔ علیؓ کو مچھر سے بھی زیادہ حقیر کہا گیا۔

عن ابی عبداللہ علیہ السلام ان ہذا المثل ان اللہ لا یستحی ان یضرب مثلاً ما بعوضۃ فما فوقہا ضرب اللہ لامیر المومنین فالبعوضۃ امیر المومنین۔ یعنی اس آیت میں بعوضۃ یعنی مچھر سے مراد امیر المومنین ہیں۔ (کافی کلینی)

۱۵۔ ان کی زوجہ پر بے حساب سختیاں ان کے سامنے کی گیئں یہاں تک کہ وہ ان کو مخاطب ہو کر بقول ملا باقر مجلسی پکار اٹھیں۔ مثل اس جنین کے جو کہ رحم میں پردہ نشین ہو گیا ہو۔ اور خائفوں کیطرح بھاگ آئے ہو۔ بعد اس کے کہ زمانہ کے دلیروں کو خاک پر گرایا ہے۔ مانند نامردوں کے بیٹھ گئے ہو۔

(ترجمہ حق الیقین صفحہ ۲۵۷)

۱۶۔ یہ علیؓ وہ ہیں جن کی زوجہ کو اپنے گھر میں بفراق والد بزرگوار جی بھر کر دشمنوں نے رونے بھی نہ دیا اور دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے بیرون شہر مقام کرنے پر مجبور ہوئیں۔ (تاریخ الائمہ صہ ۳۸)

علی ہذا القیاس اس قسم کے سینکڑوں واقعات کتب شیعہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ جن میں سیدنا علیؓ کو ایک بے بس، مجبور، مظلوم، مقہور اور عاجز و ناتواں شخص کی حیثیت میں پیش کیا گیا ہے۔ ایک طرف علیؓ رب ہیں کا نعرہ اور دوسری طرف یہ بیکسی اور بے بسی کا اظہار، انتہائی ذلت رسوائی خجالت اور شرمندگی پر تو یہ خاموشی، مگر عباسؓ کے پرنالہ کے لئے تمام کا تمام کائنات کو الٹ پلٹ کر دینے کا عزم، چنانچہ مولوی سید دلدار علی رئیس المناظرین "ردافض عماد اسلام" میں کئی ایک کتب امامیہ کے حوالے سے لکھتا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ اپنے تیسرے سال خلافت میں حضرت عباسؓ کے گھر کے نیچے سے گزرے تو ان کے پرنالے میں سے چھینٹیں ان کے کپڑوں پر پڑیں، حضرت عمرؓ نے اسے اکھڑوا دیا۔ حضرت عباسؓ نے جا کر حضرت علیؓ سے شکایت کی۔ آپ موقع پر ذوالفقار لئے ہوئے پہنچے اور پرنالہ پھر لگوا دیا۔ اور فرمایا کہ قسم ہے خدا کی اگر تمام اہل زمین مجھ سے بخشونت پیش آئیں تو میں سب کو قتل کر دوں گا۔

(بحوالہ البحث المختوم فی حل عقدام کلثوم صہ ۵۰ مصنفہ سید مظہر حسین بی اے، منشی فاضل مطبوعہ کریمی پریس لاہور

حضرت خالد نے حضرت ابو بکرؓ کے ایما سے حضرت علیؓ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا حضرت علیؓ نے اسے دو انگلیوں سے اٹھا کر مسجد کے کھمبے پر کھینچ مارا۔ اور اس کا پیشاب نکل گیا۔ (تلخیص صہ ۲۱۳ - ۲۱۴

از اسمان الغراب دلیل قوم - سیہد یہم الی جیف الکلاب

نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت صحابہؓ کی تعداد

ان میرے جانثار صحابہ کے تبرائی قاتل دشمن خواہ وہ کوئی ہوں، کافر ہیں۔

ابوذر، مقداد، سلمان، بلال۔ حذیفہ یمانی، زبیر، فضل بن عباس، عبداللہ بن عباس، ہاشم بن عتبہ مرقال، ابو ایوب انصاری، ابان، عثمان بن حنیف، سہیل بن حنیف، ابوسعید خدری، قیس بن ابی سعد، ابن عبادہ رئیس انصار، بریرہ، براء ابن مالک، خباب بن الارث، رفاعہ بن مالک، عامر بن واثلہ، ہندہ ابن ابی ہالہ، جعدہ بن ہبیرہ، مخزومی، انس بن الحرث، ابن ابی کعب، خزیمہ ذوالشہادتین، عمار (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

غرضیکہ رسول پاک صلعم کے جانثار صادق الایمان صحابہ کے ناموں کی اگر فہرست تیار کروں، تو ایک علیحدہ ضخیم کتاب کی شکل اختیار کر جائیں۔ صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ رسول پاکؐ کے ان صحابہؓ کو بُرا کہنے والا خواہ دورِ رسالت کا انسان ہو یا بعد کا یا آج کل کا وہ اسلام سے خارج ہے۔ اس کی تمام عبادت رائیگاں ہے۔

جلاء العیون ص ۳۳ جلد اوّل

تبصرہ

آج تک اہل سنت والجماعت نے کسی صحابی کو بُرا کہنا تو درکنار ان کا نام بے ادبی سے لینا بھی گناہ عظیم سمجھا ہے۔ مصنف نے یہاں اٹھائیس صحابہ کرام کے اسمائے گرامی لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ ان کے علاوہ اگر باقی صحابہ کرام کے نام لکھے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ یہ شیعہ مذہب بھی عجیب چوں چوں کا مربہ ہے۔ ایک صاحب کچھ اچرتے ہیں، دوسرے صاحب کچھ دیا لکھان دیتے ہیں۔ تیسرے کچھ اور فرماتے ہیں۔ چوتھے سب کی لٹیا ہی ڈبو دیتے ہیں۔ اب مصنف کے اس بیان کے بعد دیگر مجتہدین عظام، مصنفین ذی الاحترام اور علمائے کرام کے ارشادات سننے سے پہلے ایک بات کو ذہن نشین کیجئے کہ بقول مصنف ان صحابہ کرام کو بُرا کہنے والے اسلام سے خارج ہیں۔ اور ان کی تمام عبادت رائیگاں ہیں۔ معلوم نہیں ان میں سے سچا شیعہ کون ہے۔ جس کی عبادت رائیگاں نہیں اور جھوٹا کون ہے۔ جس کی عبادت رائیگاں جائے گی۔

صرف تین :۔ ابی جعفر سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کے بعد تمام لوگ مرتد ہو گئے۔ صرف تین مسلمان رہ گئے۔

مقداد بن الاسود، ابوذر غفاری، سلمان فارسی، ترجمہ روضہ کافی ۱۱۵

(افسوس کہ اس ظالم نے یہاں سیدنا علیؓ، حسنینؓ، سیدہ فاطمہؓ کو بھی نہیں بخشا،

صرف چار :۔ یعنی علی رضی اللہ عنہ اور ہمارے چار شخصوں کے سوا امت میں سے سب نے بخوشی بیعت کی۔ چوتھے سے مراد عمار بن یاسر ہیں (احتجاج طبرسی ص ۴۸)

یہ چار نہیں بلکہ پانچ بنتے ہیں۔ مگر اس ظالم نے بھی حسنینؓ اور فاطمہؓ کو

اڑا دیا ہے ۔)

ایک بھی نہیں ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب بنی ہاشم مرتد ہو گئے ۔ (مجالس المومنین جلد سوم) (لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم اس منہ پھٹ نے ایک کو بھی نہیں بخشا ۔) یہاں یہ بھی سوال پیدا کیا جا سکتا ہے ۔ کہ اگر "مزعومہ" اہل بیت کا نام لکھنے کی ضرورت نہ تھی تو پھر چار کے ضمن میں سیدنا علیؓ کے ذکر کی کیا ضرورت پیدا ہوئی ۔

بارہ ہزار

اصحاب رسول بارہ ہزار تھے ۔ آٹھ ہزار مدینہ سے دو ہزار غیر مدینہ سے ۔ دو ہزار رہا کردہ لوگوں میں سے اور کوئی ان میں سے نہ قدری تھا نہ مرجی نہ حروری نہ معتزلہ خود رائے ۔ پس سب شب و روز روتے تھے اور دعا کرتے تھے کہ یا اللہ خمیری روٹی کھانے سے پہلے ہماری روح قبض کرلے ۔

(از امام جعفرؒ ۔ کتاب خصائل ابن بابویہ و حیات القلوب مجلسی صفحہ ۵۸۸/۲)

دروغ گو را حافظہ نباشد ۔ کوئی اس ظالم سے پوچھے کہ تمہیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ جن فرقوں کے تم نام لکھ رہے ہو ۔ ان کی ابتدا کب ہوئی ۔ اور اس وقت یہ جبری قدری حروری ، کہاں سے آ گئے ۔

سلمان اور مقداد کا ایمان

کتاب اختصاص میں لبسند معتبر امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے سلمان تیرا علم

اگر مقداد پر پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے ۔ پھر آنحضرت نے مقداد کو فرمایا کہ اگر تمہارا صبر سلیمان پر پیش کیا جائے ۔ تو وہ کافر ہو جائے

(ترجمہ حیات القلوب جلد ۲ ۔ صفحہ ۶۰۰) لہ

ایک دردمندانہ اپیل

میرے شیعہ دوستو ! ہم سب کو ایک دن ضرور اللہ تعالےٰ کے حضور میں حاضر ہونا ہے ۔ وہاں ہمارے اعمال کا ایک ایک ذرہ ہمارے سامنے پیش کیا جائے گا ۔ آپ کے پاس آپ کے مجتہدین کے پاس آپ کے مبلغین اور علمائے کرام کے پاس اپنے دین کے متعلق سوائے تاویلات اور مضحکہ خیز روایات کے کچھ نہیں ۔ آپ اگر خود اپنے خالق و مالک کو حاضر و ناظر جان کر اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں تو آپ کو روز روشن کی طرح معلوم ہو جائے گا ۔ کہ آپ کے عالم محض اپنی انا ۔ باطل کی تسکین کے لئے یہ بوجھ اٹھائے پھر رہے ہیں ۔ آپ کے عوام صرف حُب اہلبیتؓ کے نعرہ مستانہ سے سرشار ہو کر صراط مستقیم سے بھٹک چکے ہیں ۔ قطع نظر سینکڑوں اختلافی مسائل کے اسی ایک بات سے اندازہ کر لیجئے کہ شیعیت تضادات کا ایک پلندہ ہے ۔ اہلسنت میں کوئی علیؓ کا منکر نہیں ، کوئی حسنینؓ کے فضائل و مناقب سے روگردانی کرنے والا نہیں ۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ اہل سنت کس حد تک خانوادہ نبوتؐ کی مدح و توصیف میں رطب اللسان رہتے ہیں ۔ اہل سنت علیؓ اور حسنینؓ کے فضائل کے دو طرح سے قائل ہیں ۔ سیدنا علیؓ کو صحابہ کرام میں

لہ مزید تفصیل کے لئے میری تالیف حقیقت مذہب شیعہ دیکھو ۔

بھی شمار کرتے ہیں۔ اور حسنینؓ کو اہل بیت سمجھتے ہیں۔

ہرمزان مجوسی نے جس پودا کی کاشت کی۔ فیروز لولو نے جسے سینچا۔ ابن سبا نے جسے پروان چڑھایا آپ بغیر سوچے سمجھے اس کے زہر آلود اور مسموم سائے کیطرف لپکتے چلے جارہے ہیں۔ آئیے امور متنازعہ میں جس امر کے متعلق آپ دوستانہ ماحول میں جس مقام پر چاہیں خلوت میں پسند کریں یا جلوت میں۔ میں آپ کی اور صرف آپ کی کتب سے یہ واضح کرنے کو تیار ہوں کہ آپ صراط مستقیم سے بھٹک چکے ہیں۔

آپ کے پڑھے لکھے طبقہ کو خوب یاد ہوگا۔ کہ ۱۹۳۵ء میں سید مصطفےٰ حسین سپرنٹنڈنٹ ضلع گونڈا نے تمام مجتہدین عظام اور علمائے کرام کو بذریعہ مکتوب مفتوح مندرجہ ذیل سوالات لکھ کر بھیجے تھے۔ مگر آج تک ان کا جواب نہ دیا جاسکا۔ اور آپ کے ذمہ قرض ہے۔ اور اسی سال کے "النجم" میں عصمت آئمہ پر جو کچھ لکھا ہے یا لکھا تھا۔ اس سے کس قدر شیعہ عصمت آئمہ کے عقیدہ سے دستبردار ہوگئے تھے۔

سید مصطفےٰ سپرنٹنڈنٹ کے سوالات سے آپ بھی واقف ہوجائیے۔

۱۔ جناب ختمی مرتبت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مامور من اللہ امام کی ضرورت کیوں روا رکھی گئی؟

۲۔ شیعہ مجتہدین (النجم لکھنؤ) کی بحث عصمت امام کا آجتک کوئی جواب نہیں دے سکے اس لئے ان کے نام گزارش ہے کہ اگر انہوں نے دو ماہ کے اندر اندر اس بحث کا جواب نہ دیا تو میں سنی ہو جاؤں گا[1]

[1] بشکریہ ڈاکٹر سبطین لکھنوی ایم اے بی ایس

یہاں ایک اور لطیفہ بھی سنتے چلئے۔ بنات الرسول کے سلسلے میں مکتوب مفتوح کے فرستندہ[2] کو جب جواب نہ ملا تو مذکورہ نے چند شیعہ علماء کو کچھ خطوط لکھے کہ جواب دیجئے۔ ورنہ میرے تذبذب میں مزید اضافہ ہوجائے گا تو بجائے سوالات کا جواب دینے کے ایک نے لکھا کہ سنی ہوجائیے[3] آپ کو کون روک سکتا ہے۔ کروڑوں سنی موجود ہیں نورٌ علیٰ نور ہوجائیے اور کوثر نقوی[4] نے لکھا کہ آپ اس خبیث (یعنی راقم الحروف) کی کتابیں نہ پڑھیئے۔ اگر اس کی کتاب کا جواب لکھا گیا تو سوائے اس خبیث کی شہرت کے کچھ نہ ہوگا۔ اس کی تصنیف جھوٹ کا پلندہ ہے (مگر جناب جھوٹ کے پلندہ کا جواب دینے سے کیوں بھاگتے پھرتے ہیں۔)

[2] ڈاکٹر یاور حسین ساقی دینا ضلع جہلم

[3] مولوی اسماعیل درس آل محمد لائلپور کا خط مورخہ ۳۰/۵/۷۲

[4] ظہور الحسن کوثر جس نے جلاء العیون کا حاشیہ لکھا ہے کا خط ۶/۶/۷۲

[5] بنات الرسول کے مسئلہ پر ۷ شوال ۱۳۸۷ھ چوک دڑھیل ضلع بہاولپور مولانا محمد عبدالستار تونسوی حنفی اور مولوی محمد اسماعیل شیعہ لائلپور کے درمیان مناظرہ ہوا۔ متوخرالذکر کوئی جواب نہ دے سکا۔ مطبوعہ پمفلٹ مناظرہ مولانا عبدالستار تونسہ ضلع ڈیرہ غازیخان سے طلب کیجئے۔

نبی علیہ السلام بوقتِ وفات فرماتے ہیں

ایھا الناس جاننا چاہیے کہ علی بن ابی طالب میرا چچازاد بھائی ہے اور میرا وصی ہے۔ وہ قتال تاویل قرآن پر کرے گا۔ جس طرح میں نے تنزیل قرآن پر کیا۔ اور اسی طرح کا کلام مجالس متعدد میں فرماتے تھے۔ بعد اس کے آنحضرتؐ نے اسامہ بن زید کو امیر کیا۔ اور ایک لشکر

اے مشہور شیعہ المامقانی نے اپنی شہرہ آفاق تالیف تنقیح المقال جلد ۲ صفحہ ۱۸۴ پر محمد بن عمر الکشی سے جو جرح و تعدیل کے مسلمہ ماہر شیعہ عالم اور جس نے سب سے پہلے اس فن میں کتاب تصنیف کی ہے۔ سے روایت کی ہے کہ بقول اہل علم عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ مسلمان ہو کر اس نے حضرت علیؓ سے دوستانہ مراسم قائم کئے۔ وہ اپنے یہودیت کے زمانہ میں کہا کرتا تھا یوشع بن نون حضرت موسیٰ کے وصی تھے اسلام لانے کے بعد اس نے حضرت علیؓ کو نبی علیہ السلام کا وصی کہنا شروع کیا۔ مشہور شیعہ عالم کا یہ بیان اس باب میں نص صریح کا حکم رکھتا ہے۔ کہ حضرت علیؓ کے لئے وصی کا لقب سب سے پہلے اس نے اختراع کیا۔ اس روایت کے راوی بقول صاحب تنقیح المقال سب شیعہ تھے اور ابن سبا سے یہ روایت شیعہ علماء کے ذریعے صاحب تنقیح المقال تک پہنچی، جس طرح وصایت کا عقیدہ ابن سبا کے ذہن کی اختراع ہے اسی طرح امامت کی اختراع شیطان الطاق نے وضع کی یہ شخص جعفر (صادق) کا ہم عصر تھا۔

(تفصیل کے لئے دیکھیے تنقیح المقال)

منافقاں داخل فتنہ وغیرہ سے اس کے لئے ترتیب دیا۔ اور حکم دیا کہ ہمراہ اکثر اصحابؓ جانب بلادِ روم جاؤ۔ جس جگہ اس کا باپ شہید ہوا تھا۔ اور غرض حضرتؐ کی اس لشکر کے بھیجنے سے صرف یہ تھی کہ مدینہ اہل فتنہ اور منافقوں سے خالی ہو جائے۔ اور کوئی علی ابن ابی طالب سے مخالفت و منازعت نہ کرے۔ اور امر خلافت جناب امیر علیہ السلام پر مستقر اور محکم ہو جائے

تبصرہ

علی علیہ السلام اور تاویل قرآن پر قتال۔

ہمیں کسی شیعہ یا سنی کی کسی کتاب میں یہ نظر نہیں آیا۔ کہ سیدنا علیؓ نے تاویل قرآن پر کبھی قتال کیا ہو۔ ہم نے تو کتب شیعہ میں صرف اس قدر پڑھا ہے۔ کہ علیؓ قرآن مرتب کر کے لائے۔ مسجد میں مجمع عام میں پیش کیا مگر کسی نے توجہ نہ دی تو آپ یہ کہتے ہوئے اپنے حجرے میں تشریف لے گئے کہ اب تم تا ظہور قائم آل محمد اس قرآن کو نہ دیکھو گے۔ چنانچہ اسی جلاء العیون میں لکھا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کر لوں گھر سے باہر نہ نکلوں۔ اور چادر کندھے پر نہ ڈالوں۔ بعد چند روز کے فرقان ناطق یعنی امیر نے قرآن جمع فرمایا اور جزدان میں رکھ کر سر بمہر کر دیا۔ پھر مسجد میں تشریف لا کر مجمع مہاجرین و انصار میں ندا فرمائی کہ اے گروہ مرداں جب میں دفن پیغمبر آخر الزمان سے فارغ ہوا تو بحکم آنحضرتؐ قرآن جمع کرنے میں مشغول ہوا۔ اور جمیع آیات اور سورہ ہائے قرآن کو میں نے جمع کیا۔ اور کوئی آیۃ آسمان سے نازل نہ ہوا جو حضرتؐ نے مجھے سنایا نہ ہو۔ اور اس کی تعلیم مجھے نہ دی ہو۔ چونکہ اس قرآن میں چند

آیات کفر و نفاق منافقین توم دہ آیات نص خلافت جناب امیر صریح تھے اس وجہ سے خلقت نے اس قرآن سے انکار کر دیا۔ جناب امیر خشمناک اپنے حجرہ ظاہرہ کو تشریف لے گئے۔ اور فرمایا اس قرآن کو تم لوگ تا ظہور قائم آلِ محمد[1] نہ دیکھو گے۔ صفحہ ۲۰۲ - ۲۰۳ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ عباسؓ کے پڑنانے کے لئے تمام انسانوں کو قتل کر دینے کا اعلان اور قرآن جس پر آپ کو قتال کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس پر یہ خاموشی۔ اور پھر قرآن سے انکار تو اس وقت ہوا جب خلافت پر دوسرے قابض تھے آپ نے اپنی خلافت میں بھی وہ قرآن نہ نکالا۔ آپ کے علاوہ دس دوسرے آئمہ بھی اس قرآن سے محروم رہے یہ قرآن گویا اللہ تعالےٰ نے صرف قائم آلِ محمد کے لئے نازل کیا تھا۔ اور باقی تمام مومنین کو اس وقت سے امام آخرالزمان تک قرآن سے محروم رکھا۔ ۴ - بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیت۔ نبی علیہ السلام نے متعدد مجالس میں یہ وصیت فرمائی۔ میں مصنف جلاء العیون کے حواریوں کو چیلنج کرتا ہوں۔ کہ کسی اپنی کتاب سے ہی باسناد یہ ثابت کر دیں۔ کہ آنحضرت نے کسی وقت ایسا حکم فرمایا تھا تو میں اپنے اس عقیدہ سے رجوع کرنے کو تیار رہوں۔

---

[1] یہ ظہور قائم آلِ محمد کی داستان بھی ایک عجوبہ ہے۔ صافی شرح کافی باب پنجم میں ہے۔ کہ جب تک ۳۱۳ مومن نہ ہوں گے۔ امام مہدی آخرالزمان ہرگز ظاہر نہیں ہوں گے۔ اور یہ کروڑوں شیعہ لیعنی چہ؟

لشکر منافقان و اہل فتنہ سے ترتیب دیا اور اکثر اصحاب کو ساتھ بھیجا آنحضرت نے یہ لشکر اس لئے بھیجا کہ مدینہ خالی ہو جائے۔ اور علی خلیفہ بن جائیں۔ اور دوسری غرض یہ تھی کہ زید شہید کی شہادت کا بدلہ لیا جائے علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لئے نبی علیہ السلام ہر قسم کی کوشش کر رہے ہیں یہاں کئی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ نبی اور آئمہ ماکان و مایکون کے عالم ہوتے ہیں۔ کیا نبیؐ اور علیؓ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ علیؓ کسی صورت میں خلیفہ نہیں بن سکتے۔ دوسری صورت یہ سامنے آتی ہے۔ کہ نبیؐ کی وفات کے بعد صرف تین یا چار آدمی مسلمان رہ گئے تھے۔ تو کیا نبیؐ صرف چار آدمیوں کے لئے علیؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ تیسری صورت یہ سامنے آتی ہے کہ اگر نبیؐ کی وفات کے بعد بارہ ہزار یا بقول مصنف جلاء العیون کہ ان کے ناموں سے ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔ پھر چند سر پھرے منافقوں کا کیا ڈر تھا۔ اور نبیؐ ایسی تدبیریں کیوں کر رہے تھے۔ جس سے آپ کی نبوت بھی نعوذ باللہ مشکوک ہو کر رہ جاتی اور پھر اگر علی خلیفہ بلافصل تھے۔ تو آپ نے پچیس سال تک منافقوں کے پیچھے نمازیں کیوں پڑھیں۔ ان سے وظائف لیکر لاکھوں کی جائیداد کیوں پیدا کی۔ سب سے بڑے منافق اور پیر فرتوت کو اپنی بیٹی کیوں دی[1]

---

[1] - اس مختصر کتابچہ میں اس موضوع پر تفصیل کی گنجائش نہیں۔ صرف شیعہ مذہب کی کتب اور صفحات کے حوالوں پہ اکتفا کرتا ہوں۔ سیدنا علی نے اپنی بیٹی سیدہ کلثوم سیدنا عمرؓ کے حبالۂ عقد میں دیں۔ یہ نکاح ہوا اور ڈنکے کی چوٹ ہوا۔ اسے جھٹلانا یا اس پر تاویلات کے پلندے تیار کرنا صرف ہٹ دھرمی اور ضد ہی نہیں۔ بلکہ پرلے درجے کی جہالت اور ظلم بھی ہے۔ (بقیہ صفحہ ۲۹ پر ملاحظہ کیجئے)

نبیؐ اور علیؓ کی بے بسی

آخری ایام میں نبی علیہ السلام جب نزدیک محراب آئے دیکھا کہ ابوبکرؓ نے سبقت کی ہے۔ اور بجائے حضرت کے نماز شروع کی ہے۔ پس حضرتؐ نے دست مبارک سے اشارہ فرمایا کہ پیچھے کھڑا ہو اور خود داخل محراب ہوئے۔ اور لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر نماز کو پھر سے ادا کیا اور بعد نماز گھر میں تشریف لے گئے۔ ص ۸۸

تبصرہ

مصنف تسلیم کرتا ہے۔ کہ ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی مگر فوراً اسے شیعیت کا مرود گھسیٹ کر دوسری طرف لے جاتا ہے اور "پھر سے نماز ادا کی" کا لفظ صحیح اور اصل واقعہ کی شکل بگاڑ کر خلافت بلافصل کی راہ ہموار کرنے کی سعی لاحاصل میں ہلکان ہوتا ہے۔ مگر اس ظالم نے یہ نہیں سوچا کہ میرے ان الفاظ کے پس منظر میں نبی علیہ السلام کی ذات اقدس پر کتنا بڑا اتہام اور بہتان پوشیدہ ہے۔ نبی علیہ السلام کی تئیس سالہ تبلیغ کو اس نے "پھر سے پڑھا" کے لغو فقرے سے ملیامیٹ کر کے رکھ دیا۔ اسے اس لفظ کے پس منظر میں یہ بھی نظر نہیں آیا کہ میں وہ کلمہ کیوں لکھ رہا ہوں۔ جس سے یہ معلوم ہو کہ معاذ اللہ نبی علیہ السلام ساری زندگی منافقوں میں گھرے رہے۔ اور آخری وقت ان منافقوں نے آپ کو بالکل بے دست و پا بنا کر رکھ دیا۔ اور آپ اُف تک نہ کر سکے اور صرف ہاتھ کے اشارہ سے روک کر رہ گئے۔ اور عباسؓ کے پرنالہ کیلئے زمین و آسمان کو ایک کرنے والے شاہ مردان بھی دبک کر رہ گئے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷ سے آگے

۱ فروع کافی جلد ۲ صفحہ ۱۴۱ مطبوعہ نولکشور۔
اس کتاب میں فی تزویج ام کلثوم کے عنوان سے پورا باب موجود ہے اور اس میں کئی صریح حدیثیں اس نکاح پر موجود ہیں۔ کافی وہ کتاب ہے جس پر امام آخر الزمان کی تصدیق ہذا کاف لشیعتنا یعنی یہ ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے۔ موجود ہے۔

۲۔ شیعوں کی دوسری مایہ ناز کتاب صافی شرح اصول کافی ہے۔ جس کے مصنف ملا خلیل قزوینی ہیں[۱]۔ علی علیہ السلام کے لئے آسمان سے وصیت نامہ نازل ہوا۔ جس میں اشارت است بداماد بیٔ ع
کتاب الحجہ جز سوم باب شعت رکیم ص ۸۲ - ۲۱۸ مطبع نولکشور
اس کتاب میں مزید درجن بھر مقامات پر تزویج نکاح ام کلثوم با عمرؓ موجود ہے۔

۲۔ استبصار۔ شیعوں کی صحاح اربعہ میں سے ہے۔ مصنف ہیں محدث اعظم علامہ ابو جعفر طوسی۔ اس کتاب کی جلد ثانی ص ۱۸۵ مطبوعہ مطبع جعفریہ پر دو حدیثیں موجود ہیں۔

۱۔ اس خلیل قزوینی کے متعلق دیباچہ کتاب میں ایک حدیث بدیں مضمون ہے۔ فرمایا نبی علیہ السلام نے قزوین میں ایک شخص ہوگا جو ایک پیغمبر کا ہم نام ہوگا۔ لوگ اس کی اطاعت سرعت سے کریں گے خواہ مشرک ہوں یا مومن وہ مرد بھر دیگا پہاڑوں کو خوف سے۔ یعنی شوکت و کمال پر پہنچ جائے گا۔

۴ - تہذیب - یہ بھی شیعوں کی صحاح اربعہ میں سے ہے - اس کے مصنف بھی طوسی ہیں - اس میں بھی نکاح مذکور پر محمد بن احمد بن یحیٰ بن جعفر بن محمد القمی عن القداح جعفر عن ابیہ سے روایت موجود ہے

۵ - ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جز ثانی ۱۲۴ مطبوعہ مطبع دار الکتب العربیۃ الکبرا مصر کے ۱۲۴ پر نکاح کی تصدیق کے لیے لکھتے ہیں - کہ اس کے منکر خواہ مخواہ توجیہات باطلہ سے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کرتے رہتے ہیں -

۶ - قاضی نور اللہ شوستری - اگر نبی دختر بعثمان داد - علی دختر بہ عمر فرستاد لکھ کر شیعوں کی لٹیا ہی ڈبو دی - اس کے بعد شوستری نے دو اور مقام پر بھی اقرار کیا ہے - اور مصائب النواصب میں اس کا اقرار کیا ہے

۷ - سیف ذم مصنف محمد علی یہ کتاب پہلی بار ۱۲۶۷ء میں مطبع اثنا عشریہ لکھنو میں طبع ہوئی - اس میں مصنف نے "اول فرج غصبت منا" پہلی فرج جو ہم سے چھینی گئی پر ۸۹ صفحات کا ایک طویل مضمون لکھا ہے -

۸ - شرح شرائع جس کے مصنف ابوالقاسم قمی ہیں نے بھی زوج علی بنت ام کلثوم من عمر لکھ کر اس نکاح کا اعتراف کیا ہے -

۹ - کتاب شہادت مصنفہ محمد حسین موسوی ۳۹۸

ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالہ -

مگر ان کا کیا علاج جن کے متعلق کہا گیا ہے -

اذا حدث کذب اذا خاصم فجر -

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں

جناب فاطمہ نے وصیت کی کہ وہ دو مرد اعرابی ...... جو ہرگز خدا اور رسول پر ایمان نہ لائے تھے - ان پر نماز نہ پڑھنے پائیں - ص ۲۳۰

* جناب رسول خدا کو خواب میں دیکھا - آپ نے فرمایا ادھر دیکھو - جب میں نے ادھر دیکھا - دو آدمیوں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا پایا - ان کے سروں کو پتھروں سے کچلتے تھے - اس کے دوسرے روز جناب امیر کے سر پر ضرب لگی اور معلوم ہوا کہ وہ دو اوّل اور دوم تھے - ص ۲۷۴

* یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا برادر علی ابن ابی طالب بعد آپ کے مقہور مظلوم ہوگا - اور اس امت کے منافق اس پر غالب ہوں گے - اور اس سے غصب مخالفت کریں گے - ص ۲۸۹

* بعد ان کے تیسرا اور چوتھا ہوگا - (کوثر بھر یلوی حاشیہ پر معاویہ اور یزید کو تیسرا اور چوتھا لکھتا ہے - اور اسی سانس میں تیسرا عثمان کو کہتا ہے) منہ ان کا سیاہ ہو وہ بہت مال جمع کریں گے - اور لوگوں کو جہنم کیطرف کھینچیں گے ص ۱۰۳

اس بحواس میں ملا باقر منفرد نہیں بلکہ بہت سے اور بھی اس کے ساتھی ہیں - شیعہ علماء نجف نے الزہرا نامی ایک کتاب لکھی ہے - اس میں یہ زہر آلود اور دلفگار فقرہ لکھا ہوا ہے - کان عمر مبتلی بداء لا یشفیہ منہ الا ماء الرجال - یعنی معاذاللہ ثم معاذاللہ عمر ایسی مرض میں مبتلا تھے - جس سے ان کو لواطت کے بغیر راحت نہیں ہوتی تھی - (بحوالہ شیعہ سنی اتحاد کیلئے مخلصانہ اپیل از ابویزید بٹ ص ۲۴)

تفسیر عیاشی اور تفسیر قمی میں ہے کہ الفحشاء سے مراد ہیں جناب اوّل اور
المنکر سے مراد ہیں حضرت ثانی اور البغی سے مراد ہیں مسٹر ثالث ۔
(مقبول قرآن امامیہ ۵۵۱ ، ۲۶)

جعفریہ البوسی الشن کی مصباح الہدایت جلد دوم ص۸۶ پر شیخین رضوان اللہ
علیہم اجمعین کے متعلق صاف لکھا ہے کہ وہ غیر مسلم ، منافق ، غدار ، خائن
آثم اور کاذب ہیں ۔ (ایضاً ص ۲۹)

قرآن میں جہاں جہاں قال الشیطان آیا ہے اس سے مراد وہی ثانی ،
(عمر) ہیں ۔ (مقبول قرآن امامیہ ص ۵۱۲)

کسی کا قول ہے کہ اگر شیعوں سے پوچھا جائے ۔ کہ عیسےٰ کے ساتھی کیسے
تھے کہیں گے بہت اچھے ۔ موسیٰ کے ساتھی کیسے تھے ۔ جواب دیں گے بہت
اچھے اور محمدؐ کے ساتھی کیسے تھے جواب دیں گے بہت بُرے ۔ ان احمقوں
کو اتنا خیال بھی نہیں آتا کہ ہم سب صحابہؓ کو اپنا ورد زبان بنا کر کونسی دین کی
خدمت کر رہے ہیں ۔ انہیں آج تک یہ معلوم نہیں ہو سکا ۔ کہ مجوس اور
یہود کے گٹھ جوڑ نے اسلام کی مخالفت کے لئے جس کام کی بنیاد رکھی تھی آج
ہم پورے طور پر ان کے اس تیار کردہ منصوبے پر عمل کر رہے ہیں ۔ اور
اگر یہ بھی کہہ دوں تو بے جا نہیں ۔ کہ یہ لوگ مزعومہ اہلبیت کی محبت کے
مدعی برائے نام ہیں ۔ حقیقت میں یہ صرف وہی لوگ ہیں ۔ اگر یہ حقیقتاً مزعومہ
اہل بیت کے ہمدرد اور نام لیوا تھے تو انہوں نے علیؓ کو کیوں ستایا ۔ حسنؓ کو
کیوں رلایا ۔ حسینؓ کو کیوں شہید کیا ۔ اور ان کے بعد جو سادہ لوح علوی
ان کے قابو میں آیا اُسے سبز باغ دکھا کر آگے کیا ۔ جب وہ قتل ہو گیا
یا گرفتار ہو کر توبہ تائب کر کے بچ گیا تو یہ وہاں سے ایسے گم ہوتے جیسے

زمین ان کو نگل گئی ہے ۔ اور لوگوں کو دوبارہ ان کا علم اس وقت ہوا جب
انہوں نے کسی دوسرے علوی کو گھیر کر موت کے منہ میں دھکیل دیا ۔
انہیں اولاد علیؓ سے پرکاہ جتنی محبت نہ تھی اور نہ ہے ۔ ان کا مقصد تھا
دین میں تشتت وافتراق پھیلاؤ ، خانہ جنگیاں کراؤ ۔ اور دور کھڑے ہو
کر تماشہ دیکھو ۔ اور جہاں انہیں کسی قسم کی طاقت مل گئی تو حسین طباطبائی
ابن علقمی نصیر الدین طوسی کی شکل میں وقت کے سب سے بڑے اسلام دشمن
شیطانوں کو چڑھا کر لائے ۔ اور شہروں کے شہر ملکوں کے ملک آبادیوں
کی آبادیاں تباہ کرا کے رکھ دیں ۔

یہ صحابہ کرام کو بُرا کہنے والے اور لعنت بر ابوبکرؓ بر عمرؓ بر عمرؓ بر عمرؓ
(معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) کے وظائف کا ورد کرنے والے کیا اپنے آئمہ کے
ان اقوال کو اپنی کتب میں نہیں دیکھتے ۔ جن میں ان عظیم الشان اور جلیل القدر
ہستیوں کا ذکر نہایت ادب واحترام سے لیا گیا ہے ۔ ان اللہ کے باغیوں
کو اتنی سمجھ بھی نہیں کہ اگر ابوبکرؓ ، عمرؓ ، عثمانؓ اور معاویہؓ اور ولیدؓ نہ ہوتے
تو تم آج کسی چوہڑے ، چمار ، سانسی ، بھیڈ کٹ یا کسی اچھوت کی شکل
میں گلیوں میں بھیک مانگتے یا جھاڑو دیتے یا مُردار کھاتے نظر آتے ۔ یہ
ابوبکرؓ ، عمرؓ کے جوتوں کا صدقہ ہے جنہوں نے تمہارے آبا کو اسلام سکھایا
اور آج تم مسلمان شمار ہو رہے ہو ۔ علیؓ بے چارے تو اپنے مختصر سی نام نہاد
خلافت کے دور میں فتوحات تو کجا الٹا ایک لاکھ فرزندان توحید کو خاک و
خون میں تڑپانے کا موجب بنے ۔ دع الحیاء وافعل ماشئت

صدیق اکبرؓ [1]

جبرائیل ہجرت کے وقت وحی الٰہی لیکر آئے اور کہا۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو حکم دیا ہے۔ کہ ابوبکرؓ کو ساتھ لے جایئے وہ اگر آپ سے مانوس ہوجائیں اور آپ کی مدد کریں اور آپ کی موافقت کریں اور جو کچھ آپ سے معاملہ اور عہد کریں۔ اور اس پر قائم رہیں تو وہ جنت میں آپ کے رفیقوں میں سے ہوں گے۔ اور جنت کے بالاخانوں میں آپ کے رفیقوں میں سے ہوں گے۔ (ترجمہ تفسیر امام حسن عسکری مطبوعہ ایران ص ۱۶۴)

زمانہ نے دیکھ لیا کہ صدیق نے زندگی میں کئی بار اپنا تمام مال حضورؐ کی خدمت میں حاضر کیا۔ بیٹی نکاح میں دی اور اسلام لانے کے بعد ایک لمحہ بھی آپ کی خدمت سے جدا نہ ہوئے۔ پھر یہ بھی زمانے نے دیکھ لیا کہ زندگی بھر کے رفیق کو نبی نے مرنے کے بعد اپنے پہلو میں جگہ دی ہر اور آج وہ صدیقؓ بے شک نبیؐ کے ہمراہ جنت کے بالاخانوں میں ہے۔ آج اس بھری دنیا میں کوئی ایک شیعہ صدیق اکبرؓ کے متعلق کوئی ایک واقعہ ہی پیش کرکے دکھائے۔ کہ صدیق اکبرؓ نے خلاف توقع فلاں موقع پر آپ کے کسی حکم پر شک تک بھی کیا ہو۔

اس تفسیر میں چند سطور بعد لکھا ہے۔ رسولِ خدا نے ابوبکرؓ سے فرمایا کہ

[1] صدیق اکبرؓ کے متعلق میں اپنی تالیف حقیقت مذہب شیعہ میں شیعہ کتب سے بیسیوں حوالہ جات کے تحت ثابت کرچکا ہوں کہ نبی علیہ السلام کے بعد امت میں صدیق اکبر کا مقام سب سے بلند تھا۔ نیز دیکھیے میری تالیف مقامِ صحابہ رضؓ۔

تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اے ابوبکرؓ تم میرے ساتھ رہو (آپ نے اس وقت صدیق اکبرؓ کو یہ ارشاد فرمایا جب صدیق اکبرؓ نے ہجرت کے لئے اجازت طلب کی) اور جس طرح میرا تعاقب کیا جائے۔ اور لوگوں میں یہ چرچا ہو کہ مجھے دعوےٰ نبوت پر آمادہ کرتے ہو (ان لفظوں کی گہرائی میں اتر کر دیکھیے کہ صدیق اکبرؓ کا مقام نبی اکرمؐ کی نظروں میں کتنا بلند ہے) اسی میری وجہ سے تم پر طرح طرح کی تکالیف پیش آئیں۔ ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ اگر میں اختتام دنیا تک زندہ رہوں اور ساری عمر مجھے تکلیف دی جائے نہ مجھے موت آئے۔ جو اس مصیبت سے نجات دے۔ اور نہ کسی قسم کی کشائش جو اس سے رہائی دے۔ اور یہ سب کچھ آپ کی محبت میں ہو تو مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میں دنیا میں خوشحال رہوں اور دنیا کی تمام سلطنتوں کا مالک بن جاؤں۔ آپ کی مخالفت میں۔ اور میں اور میرا مال اور میری اولاد آپ پر فدا ہیں۔ تو رسولِ خدا نے فرمایا۔ یقیناً اللہ تمہارے قلب پر مطلع ہے۔ اور اس نے تمہارے قلب کو تمہاری زبان کے موافق پایا ہے۔ اس لئے اللہ نے تم کو میرے ساتھ وہ تعلق دیا ہے جو کان اور آنکھ اور سر کو جسم کے ساتھ ہوتا ہے اور جو تعلق کہ روح کو بدن سے ہوگا (ایضاً) امام حسن عسکری کے اس ارشاد کے بعد جو شخص صدیق اکبرؓ کو برا کہتا ہے۔ وہ کوئی مجلسی ہو یا شوستری ابن ابی الحدید ہو یا نجم الہدےٰ سراسر زندیق، کافر، کذّاب اور مرتد ہے۔

اپنے امام کے حکم کے علی الرغم فتوےٰ دینے والا نبی کے خلاف کہنے والا اس سے بھی بڑھ کر بدتر اور پلید نہیں تو اور کیا ہے۔

حملہ حیدری کے چند اشعار بھی سن لیجئے ۔

چنین گفت راوی کہ سالار دیں — چوں سالم بحفظ جہاں آفریں
نہ نزدیک آں قوم پر مکر رفت — بسوئے سرائے ابوبکر رفت
پئے ہجرت او نیزے آمادہ بود — کہ سابق رسولش خبرداد بود !
نبی بردرخانہ رش چوں رسید — بگوشش صدائے سفر در کشید
چوں بوبکرؓ زاں حال آگاہ شد — زخانہ بردں رفت وہمراہ شد
چوں رفتند چندے بہ اماں دشت — قدوم فلک سائے مجروح گشت
ابوبکرؓ آنگاہ بدوشش گرفت — وے ایں حدیث است جائے شگفت
کہ درکس چناں قوت آید پدید — کہ بار نبوت تو رند کشید

گرفتند درجوف آں غار جا ! — وے پیش بوبکرؓ بنہاد پا
بہر جاکہ سوراخ یار خنہ دید — قبارا بدرید وآں رخنہ چید
بدیں گونہ تا شد تمام آں قبا — یکے رخنہ نگرفتہ ماند از قضا
برآں رخنہ گوئند آں یار غار[1] — کف پائے خود رائے غود استوار

[1] - پوستی صاحب نے جلاء العیون میں لفظ "یار" پر دو صفحے صرف کئے ہیں جن کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے کہ جاہل مسلمانوں کا یہ کلمہ جاہلیت ہے ۔ اس لفظ یار میں سراسر توہین رسالت اور ہتک صحابہ کرام ہے ۔ (صحابہ کرام کی ہتک کا لفظ نامعلوم پوستی صاحب کی قلم سے کیسے نکل گیا) یار کے معنی میں ساتھی مددگار حمائتی آشنا ، معشوق ، محبوب ، دلبر جانی ناجائز تعلق رکھنے والا عیار دوست چالاک آنکھ لگانا آشنائی کرنا ۔ اب ظاہر (باقی اگلے صفحہ پر)

نیامد خنیس کا اے از غیر او — بہ نیساں چوں پر درخت از زخت وے
درآمد رسولؐ خدا ہم بغار — نشستند یکجا بہم ہر دو یار !
شد پور بوبکر ہنگام شام ! — رساندے درآں غار آب وطعام
نمودے ہم از حال اصحاب شہر — حبیب خدائے جہاں را خبر

اس کا مختصر سا مطلب یہہ ہے کہ نبی علیہ السلام حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لے گئے ۔ حضرت ابوبکر بھی ہجرت کے لئے آمادہ تھے چونکہ نبی علیہ السلام نے پہلے ہی اطلاع دیدی تھی ۔ نبی علیہ السلام نے حضرت ابوبکرؓ کے گھر پہنچکر ہجرت کا مژدہ سنایا ۔ آپ گھر سے نکل کر نبی علیہ السلام کے ہمراہ روانہ ہوئے ۔ جب کچھ فاصلہ طے کیا ۔ تو نبی علیہ السلام کے پائے مبارک زخمی ہو گئے ۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرتؐ کو اپنے کندھے پر اٹھا لیا ۔ یہاں حملہ حیدریہ

ہے کہ اپنے سے بزرگ کے لئے یہ الفاظ استعمال نہیں کر سکتے ۔ ۲۲ - ۲۴
میاں پوستی صاحب آپ سے پہلے مصنف حملہ حیدریہ کو یہ خیال کیوں نہیں آیا ، پوستی صاحب ! اس کے لئے مصنف حملہ حیدریہ کی طرف رجوع کیجئے ۔ حقیقت یہ ہے کہ شیعہ مذہب کی تصانیف ایک بھان متی کا پٹارہ ہیں ۔ ایک کچھ الاپتا ہے ۔ دوسرا کچھ کہتا ہے اور سب ایک دوسرے کی الاپ سے بے خبر ہیں ۔

کا مصنف کہتا ہے۔ کہ یہ بڑی حیرانی کی بات ہے۔ کہ ابوبکرؓ نے آخر بارِ نبوت کس طرح اٹھالیا ۔ ؂۲

جب غار کے دہانے پر پہنچے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے غار میں داخل ہوئے۔ اپنی قبا پھاڑ کر تمام سوراخ بند کیئے۔ پھر نبی علیہ السلامؐ اندر تشریف فرما ہوگئے۔ قضارا دو سوراخ باقی رہ گئے۔ ان میں صدیق اکبر نے اپنے پاؤں دیدیئے۔ ایسا کام اور کسی سے نہیں ہوسکتا تھا۔ جو صدیق اکبر نے کر دکھایا۔ صدیق اکبر کا لڑکا شام کو کھانا لاتا اور شہر کے حالات سے بھی حبیب خدا کو آگاہ کرتا۔

شیعوں کی کتب سے عدالت صحابہ کرام کے متعلق سینکڑوں حوالے پیش کئے جاسکتے ہیں۔ مگر اس موقع پر بخوف طوالت اختصار سے ہی کام لینا

۲ ؂ شیعہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے روز نبی علیہ السلام نے حضرت علیؓ کے کندھوں پر سوار ہو کر کعبہ کی دیواروں سے تصاویر مٹائیں اور بت گرائے تھے اور سوائے علیؓ کے کوئی بارِ نبوت نہیں اٹھا سکتا تھا۔ یہاں حملہ حیدریہ کا مصنف ان کے منہ پر اس زناٹے کا تھپڑ مار رہا ہے کہ اگر ان میں ذرہ بھر بھی ایمان اور غیرت ہو تو ڈوب مریں۔ صدیق اکبرؓ تین میل کا فاصلہ حضورؐ کو اٹھا کر لیگئے پھر یہ واقعہ بھی غلط ہے کہ فتح مکہ کے وقت نبی کے ربیب اور بت گرانے والے علی تھے حقیقت میں وہ علی سیدنا ابوالعاص بن ربیع کے بیٹے تھے ناموں کی مشابہت نے شیعوں کے ہاتھ میں ایک حربہ تھما دیا اور وہ ہر جگہ یہی الاپتے پھر رہے ہیں کہ علی کے بغیر نبی کا بوجھ کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ دیکھو حاشیہ قصیدۃ الصداقت العظمیٰ صفحہ ۲۲

پڑا ہے۔ اگر اس گروہ کے کسی فرد کے دل میں انصاف کی ایک رمق بھی باقی ہوتی تو یہ لوگ اپنی کتب میں مندرج اپنے آئمہ کے اقوال کے علی الرغم یوں، ہرزہ سرائی اور بے ہودہ گوئی کو نہ اپناتے۔

آیئے! آپ کو ذرا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دربار میں لے چلتا ہوں کہ آپ صحابہ کرام کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ یہ ہے مجموعہ آپ کے خطبات و ارشادات اور اقوال و نصائح کا۔ اس کا نام نہج البلاغہ ہے۔ آپ لوگ بلاخوف و بلا اختلاف اس کتاب کو سیدنا علی کیطرف منسوب کرتے ہیں۔ اس کے مرتب کوئی شریف الرضی ہیں۔ اور اس وقت اس کی بیسیوں شرحیں متداول ھیں۔

لیجئے! ایک خطبہ کا اقتباس سنیئے! اور یہ خطبہ آپ نے اس وقت فرمایا جب آپ کے شیعوں نے آپ کا ناطقہ بند کر دیا۔ ان کی نافرمانیوں نے آپ کو بہت تنگ کیا۔ ان کے افعال و کردار سے آپؓ بیزار ہوگئے۔ آپ فرماتے ہیں۔

وہ لوگ کہاں ہیں جنہیں اسلام کی دعوت دی گئی تو فوراً قبول کیا قرآن پڑھا تو اسے خوب اپنایا۔ جب قتال کی انہیں ترغیب دی گئی تو تلواریں اپنے میانوں سے سونت کر ایسے شوق سے میدانِ جنگ میں آگئے۔ جیسے دودھ دینے والی مادہ شتر اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے آتی ہے۔ وہ جتھا جتھا ہو کر زمین میں پھیل گئے۔ اور جنگ کے لئے قطار در قطار ہوگئے۔ کچھ شہید ہوگئے۔ اور کچھ غازی بن کر واپس لوٹے۔ گریہ زاری کی کثرت کی وجہ سے ان کی آنکھیں سفید تھیں۔ مسلسل روزے رکھنے کیوجہ سے ان کے پیٹ لاغر تھے۔ کثرتِ دعا کی وجہ سے ان کے ہونٹ

خشک تھے۔ شب بیداری کی وجہ سے ان کے چہرے زرد تھے۔ ان کے چہروں پر خشوع وخضوع کرنے والوں کی اداسی تھی۔ یہ میرے وہ بھائی ہیں جو گزر چکے ہیں۔ اب ہمارے ذمے واجب ہے کہ ان کے لئے پیار ومحبت کا اظہار کریں۔ اور ان کے فراق پر آنسوں کے ہاتھ کاٹیں۔

(ترجمہ نہج البلاغہ جزو اوّل صفحہ ۲۳۴)

سیدنا علی رضؓ کے صرف ایک ارشاد کے بعد ہی معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور آپ کے اس بین ارشاد کے بعد آپ کی مخالفت کی راہ چلنے والا ایک مزاج انسان کی نظروں میں پرلے درجے کا زندیق، فاسق اور فاجر ہے۔ آپ صحابہ کرام کو بلا استثنا اپنے بھائی کہنے کے بعد کہتے ہیں۔ ان کی محبت ہم پر واجب ہے۔ اور یہ دو دو ٹکے کے پوستی اپنے امام اوّل کے ارشاد کے بالکل خلاف صحابہ کرام کی ذات پر ہر وہ بُرا لفظ چسپاں کرنے سے نہیں ڈرتے جو انہیں کسی لغت کی کتاب میں مل گیا۔ آگے چلیئے۔

میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دیکھا۔ میں تم میں سے کسی کو بھی ان جیسا نہیں پاتا۔ وہ صبح کو دھول میں اٹے ہوتے تھے۔ راتوں کو سجدوں اور قیام کی حالت میں گزارتے تھے۔ (کیا بہترین تفسیر فرمائی ہے سیدنا علیؓ نے ان آیات کی۔

والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ گویا صحابہ کرام کو آپ ان آیات کا مصداق سمجھ کر یہ فرما رہے ہیں۔ وہ کبھی اپنی پیشانیاں زمین پر رکھتے تھے کبھی رخسارے

وہ اپنی آخرت یاد کرتے تو معلوم ہوتا کہ انگاروں پر کھڑے ہیں۔ ان کی آنکھوں کے درمیان لمبے سجدوں کی وجہ سے مینڈھے کے گھٹنوں جیسے گٹھے ہوتے تھے جب اللہ کا ذکر ہوتا تو ان کی آنکھیں آنسو برساتیں۔ یہاں تک کہ گریبان تر ہو جائے۔ اور عذاب کے خوف سے اور ثواب کی امید سے ایسے لرزتے اور کپ کپاتے جیسے تیز آندھی میں درخت کی حالت ہوتی ہے

(ترجمہ جزا صفحہ ۷۳) نہج البلاغہ عربی ج ۱ صفحہ ۱۹۰)

سُبحان اللہ سیدنا علیؓ نے جن الفاظ میں صحابہ کرام رضوان اللہ کی تعریف فرمائی یہ آپ کا ہی کام تھا۔ آج تک آپ جیسے الفاظ میں صحابہ کرامؓ کی مدح کوئی نہ کر سکا۔ اور آپ ایسا کیوں نہ کرتے جبکہ آپ نے دس سال کی عمر سے لے کر لگاتار پانچ عشرے ان کے ساتھ گزارے۔ تیس سال نبی اکرمؐ کی موجودگی میں اڑھائی سال صدیق اکبر کی خلافت میں بارہ سال فاروق اعظم کی خلافت میں دس سال سیدنا ذوالنورین کی خلافت میں۔

ایک وقت وہ تھا کہ ابوطالب بھوکوں مر رہا تھا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا کی اولاد کی بھوک کو برداشت نہ کر کے انہیں اپنے گھر لائے۔ پرورش کی، بیٹی دی، اور وفات کے بعد صدیق اکبرؓ نے ہر اہم مقام پر آپ سے مشورہ طلب کر کے آپ کی عزت افزائی کی۔ اور فاروق اعظمؓ کی ذات سے تو آپ ایسے متاثر ہوئے کہ اپنی بیٹی ان کے عقد میں دیدی۔ حضرت ذوالنورینؓ سے آپ کا دوہرا تعلق تھا۔ مگر اب انہیں خلافت کا موقع ملا۔ تو وہ گذشتہ عیش بے فکری آرام اور امن کے دن یاد آنے لگے۔ کاش کہ آپ حضرت ذوالنورینؓ کے

قانونوں کی سرپرستی سے دست کش ہونے کی جرأت کرکے ان کے حصار سے نکلنے کی ہمت کرتے ۔ تو اس قدر پریشانی میں باقی زندگی نہ گزرتی اور آپ گذشتہ زندگی کے آرام کو یاد کرکے یوں متاسف نہ ہوتے ۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کے فکر و دماغ میں اللہ تعالٰے نے ان سے مناجات کی ہے ۔ اور ان کی عقلوں میں ان سے کلام کیا ہے ۔ پس ان کے دل ، آنکھیں اور کان نور بیداری اور ھدایت سے منور ہوگئے ۔ وہ گذشتہ ایام میں اللہ کی اپنے اوپر کی ہوئی نعمتوں کو یاد کرتے ہیں ۔ اس کے مقام جلالت سے خوف کھاتے ہیں ۔ وہ گویا بیابان جنگلوں میں ہدایت کے نصب شدہ نشانات ہیں ۔ جو میانہ روی کرے اس کا طریقہ پسند کرتے ہیں اور اسے نجات کی بشارت دیتے ہیں ۔ اور جو شخص دائیں بائیں چلتا ہے اس کے راستہ کی مذمت کرتے ہیں ۔ اور ہلاکت سے ڈرتے ہیں ۔ اسی طرح وہ ظلمات کے لئے چراغ ہیں ۔ اور شبہات کو فتح کرنے والے دلائل تھے ۔ وہ ذکر اللہ والے تھے ۔ کہ دنیا کے بدلے اسے لے لیا ۔ پس کوئی تجارت اور خرید و فروخت انہیں اس سے غافل نہ کرسکیں ۔ وہ زندگی کے دن اسی میں کاٹتے تھے ۔ اور غافلوں کے کانوں میں اللہ تعالٰے کی محرمات سے ڈانٹ اور توبیخ سناتے تھے ۔ انصاف کا حکم کرتے اور خود بھی اس پر کاربند تھے ۔ برائی سے روکتے تھے ۔ گویا انہوں نے دنیا کو آخرت کیطرف پھینک دیا تھا ۔ کہ دنیا میں رہتے ہوا لے اس کے لعد کی چیزوں کا مشاہدہ کیا ۔ اور وہ اہل برزخ کی اس طویل اقامت کی پوشیدہ چیزوں پر مطلع ہوگئے تھے ۔ اور قیامت کا منظر ان کے سامنے تھا ۔ اور اس کا پردہ دنیا کے سامنے لایا ۔ ..... میں نے ان کو ہدایت کے واضح

جھنڈے اور ہدایت کے لئے روشن چراغ پایا ۔ رحمت کے فرشتے ان کو گھیرے رہتے تھے ۔ ان پر سکینہ و رحمت نازل ہوتی تھی ۔ اور ان کے لئے آسمان کے دروازے کھلتے تھے ۔ بہت عالیشان رہائشگاہیں ان کے لئے تیار کی گئیں تھیں ۔ اللہ تعالٰے ان کے مقام اور مرتبہ پر مطلع تھا ان کی نیکیوں اور قربانیوں کو قبول کرلیا ۔ اور ان کے مقام عالی کی تعریف کی

(نہج البلاغہ جز دوم ـــــ ۲۳۷)

فرمایئے میاں پوستی صاحب اینڈ کمپنی کیا خیال ہے آپ کا سیدنا علیؑ کے اس ارشاد کے معاملہ میں ۔ ملا باقر غریب نے اگر کہیں جلاء العیون میں کوئی اس قسم کا فقرہ لکھدیا جس سے صحابہ کرامؓ کی کسی صفت کا کوئی پہلو نمایاں ہوتا تھا ۔ تو آپ نے فوراً حاشیہ میں یہ جڑ دیا کہ ایسی روایات فریق مخالف سے ملا صاحب نے نقل کی ہیں ۔ اب سیدنا علیؓ کو آپ کیا کہتے ہیں ۔ کہیئے اور کھل کر کہیئے ۔ جھینپئے نہیں ۔ اس میں شرمندگی کی کوئی بات نہیں ۔ سیدنا علیؓ کو آپ نے محض اپنی مطلب براری کے لئے ایک آڑ کے طور پر استعمال کرنے کے لئے یہ سب کھڑاک تیار کیا ہے ۔ ورنہ علیؓ واقعی آپ کے فریق مخالف ہیں ۔ اسی لئے آپ نے ان کی خلافت کے دور کو ان کے لئے کانٹوں کی سیج بنائے رکھا ۔ ان کے ایک بیٹے کو ذلیل کیا ۔ اس کے نیچے سے جائے نماز کھینچ لی ران میں نیزہ مارا ۔ کندھے سے چادر اتار لی ۔ اور مذل المومنین جیسے سوقیانہ لفظ سے مخاطب کیا ۔ آپ کے دوسرے بیٹے کو چکنے ، دھوکے اور فریب سے خط لکھ لکھ کر کوفہ بلایا ۔ جب وہ غریب پہنچا تو ایسے آنکھیں چرا لیں جیسے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا ۔ اور جب وہ غریب الوطن تمہاری بے حیائی

اور خباثت سے مطلع ہو کر عازم دمشق ہوا تو تم نے اسے شہید کر دیا ۔ اور دنیا کی طرف سے لعنت کے ڈونگرے برسنے لگے تو توابین بن کر نمودار ہو گئے ۔[1]

۷ ان کو اللہ تعالیٰ کی ملاقات ہی سب ملاقاتوں سے بڑھ کر محبوب تھی وہ اپنی آخرت کا ذکر کر کے ایسی بے چینی سے تڑپتے تھے ۔ گویا آگ کے انگارے پر تڑپ رہے ہیں ۔ میرے وہ بھائی جنہوں نے قرآن پڑھا تو اس پر خوب عمل کیا ۔ احکام شرعیہ میں غور کیا ۔ اور بجا لائے ۔ سنت نبوی کو زندہ کیا اور بدعات کو ختم کیا ۔ جب جہاد کی طرف بلائے گئے تو اپنی جانوں کو قربان کیا زندہ ہونے کی صورت میں اپنے قائد پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی پوری اتباع کی ۔

(ترجمہ نہج البلاغہ جز ۲ صفحہ ۱۲۱)

۸ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

تا آنکہ ان کو منزل مقصود پر پہنچا دیا اور نجات کے مقام تک لا چھوڑا ۔ ان کی لاٹھی سیدھی ہو گئی ۔ اور ان کی ایمانی چٹان اپنی جگہ ٹک گئی ۔

---

[1] ۔ اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو کتاب قاتلان حسین مصنفہ مولانا حافظ حکیم عبدالشکور صاحب مرزا پوری اور مؤلف موصوف کی دوسری کتاب دشمنان حسین ۔ ان ہر دو کتب کا جواب جنہیں طبع ہوئے آج تقریباً نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے ۔ آج تک کسی شیعہ سے بن نہیں پڑا ۔ اور انشاء اللہ تا قیامت ان کا جواب قرض رہے گا ۔

بعد ازیں بھی اس قافلہ کے آخر میں تھا ۔

(نہج البلاغہ جز ۱ صفحہ ۷۷)

میاں پوستی صاحب آیا کچھ خیال شریف میں ۔ سیدنا علیؓ اپنے آپ کو اس قافلہ کا آخری فرد کہہ رہے ہیں ۔ جو نبی علیہ السلام نے تیار کیا اور سیدنا علیؓ سے پہلے گزر گیا ۔ مگر آج آپ نا معلوم کس پینک میں آ کر اپنے اُلٹے سیدھے ویاکھانوں سے لوگوں کو گمراہی کیطرف بلا رہے ہیں ۔ اور جب کوئی آپ کے ساتھیوں میں سے آپ کی کتابوں سے کوئی حقیقت پیش کرے ۔ اور آپ سے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑے تو بغلیں جھانک کر یہ کہنے میں ہی عافیت سمجھیں کہ فلاں خبیث کی کتابیں نہ پڑھو ۔

سیدنا علیؓ کے اس اشارے سے واضح ہوتا ہے ۔ کہ نبی اکرمؐ کی وفات کے بعد صحابہ کرام میں سے کوئی مرتد ہوا نہ منافق ۔ کیونکہ منزل مقصود پر پہنچنے والا ضلالت اور گمراہی کا شکار نہیں ہو سکتا ۔ ماکان اور مایکون کے مزعومہ عالم اور امام اوّل بلکہ ان کے رب السموات والارض کے ان کلمات کا منکر ؟

---

۹ ۔ ہم گروہ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیّت میں اپنے ابا ، بیٹوں بھائیوں اور چچوں کو بھی قتل کر ڈالتے تھے ۔ اور اس سے ہمارے ایمان و یقین اور راہ راست پر گامزنی میں اضافہ ہی ہوتا تھا ۔ تکالیف شاقہ پر صبر اور دشمنوں سے جنگ پر شوق بڑھتا تھا ۔

(نہج البلاغہ جز ۱ صفحہ ۱۰۰)

۱۰ میں اٹھا اور ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی ..... ابو بکرؓ کی حکومت ٹھیک اور روش سیدھی رہی اور میں ان کی مجاہدانہ اطاعت کرتا رہا ۔

(نہج البلاغہ صفحہ ٨٨١)

١١ - عمدۃ البیان میں سید علی شیعی واذا اسر النبی الی لبعض ازواجہ الخ کی تفسیر میں لکھتا ہے کہ اس کے شان نزول میں لکھا ہے کہ کہتے ہیں کہ رسول خدا نے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر دیا - اور حفصہؓ کو اس راز کے پوشیدہ رکھنے کی بہت تاکید کی اور فرمایا - ایک راز میرا اور ہے - کہ تیرے روبرو اسے بیان کرتا ہوں اس کو بھی کسی سے بیان نہ کرنا اور اس کے پوشیدہ رکھنے میں خیانت نہ کرنا - اور وہ یہ ہے - کہ میرے بعد ابوبکر اور عمر باپ تیرا مالک اس امت کے ہوں گے - اور بادشاہی کریں گے اور بعد اس کے عثمان حکومت کرے گا - حفصہ یہ بات سن کر خوشی سے پھولا نہ سمائی اور یہ دونوں راز حضرتؓ کے عائشہ سے جا کر کہہ دیئے -

(تفسیر عمدۃ البیان جلد ٣ صفحہ ١٢١)

کہاں گئیں حدیث قرطاس پہ آپ کی لن ترانیاں

١٢ - سیدنا علی کا ارشاد - من فضلنی علی ابی بکر جلدتہ حد المفتری (افادات دعیون) جس نے مجھے ابوبکر پر فضیلت دی میں اس کو مفتری کی حد ماروں گا -

---

١٣ - واسطے اللہ کے ہیں بلاد ابوبکر کے البتہ اس نے کجیوں کو راست کیا بیماریوں کا علاج کیا - اقام السنۃ وخلف الفتنۃ وذہب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرہا - اس نے سنت کو قائم کیا - بدعت کو دور کیا - پاکدامن ہو کر رخصت ہوا - عیب کم اور نیکیاں زیادہ تھیں -

(نہج البلاغہ)

نہج البلاغہ کے اقتباسات کے بعد کسی امام کی مزید گواہی کی ضرورت نہ تھی - اور یہ بھی خوب معلوم ہے کہ اس موضوع پر جس قدر ثبوت ان شیعان علی کے سامنے پیش کئے جائیں گے - یہ ہرگز ہرگز تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں گے - گو حضرت علی (زین العابدین) کے ان کلمات کا اعادہ کئے بغیر آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا یہ بے صحیفہ کاملہ جو آپ کی دعوت کا مجموعہ ہے - حضرت ممدوح صحابہ کرام پر درود بھیجتے ہوئے کہتے ہیں -

١٤ - اے اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر بھی رحمت نازل فرما - جنہوں نے بہت اچھی طرح حضورؐ کی صحبت کی - جو مصیبتوں میں مبتلا کئے گئے - اور آپ کی نصرت میں مشکلات برداشت کیں - اور ان کا حق آپ کی حفاظت کی - آپ کی جماعت قوی تر بنانے میں بھاگ دوڑ کی - آپ کی دعوت قبول کرنے پر ایک دوسرے سے سبقت کی - اور ایسے مقام پر دعوت کو قبول کیا کہ آپ نے اپنی رسالت کی واضح دلیل ان کو سنائی - کلمہ حق کے اظہار کے لئے اپنی بیویوں اور اولاد کو چھوڑ دیا - اپنے ابا اور اولاد سے جنگ کی - تاکہ آپ کی نبوت ثابت قدم رہے - نیز یہ لوگ آپ کی محبت میں سرشار تھے - اور آپ کی دوستی میں ایسی تجارت کی امید رکھتے تھے - جس میں کوئی خسارہ نہیں - اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ (دین کی نصرت کیلئے) رگوں میں سریش کی مانند چمٹ گئے - تو قوم قبیلوں نے انہیں چھوڑ دیا - اور سب رشتے ناطے ختم ہو گئے - جب آپ کی رشتہ داری کے سائے میں انہوں نے سکونت اختیار کی - اے اللہ تیری رضا اور تیرے لطف میں انہوں نے جو چھوڑا اس کے طفیل انہیں نہ بھلانا اور اپنی رضامندی سے انہیں راضی رکھنا اور اس وجہ سے بھی ان سے راضی رہنا کہ انہوں نے مخلوق کو تیرے دین پر جمع کیا ہے -

وہ تیسری طرف اور تیسرے دین کے لئے مخلوق کو دعوت دینے والے تھے۔
اے اللہ تیری رضا کے لئے ان کے اپنی قوم کو چھوڑ دینے کی تو قدردانی فرما۔ اور
اور کشائش رزق سے نکل کر تنگی کی طرف آجانے پر تو ان کو اجر خیر عطا فرما۔

مجھے ازحد افسوس ہے کہ میں اس موضوع پر ان کے دیگر مزعومہ آئمہ کے اقوال پیش نہیں کر سکا۔ ورنہ یہی کتابچہ ایک ضخیم کتاب کی شکل اختیار کر جاتا۔ صرف پوستی صاحب کی خدمت میں یہ عرض کر کے ان سطور کو ختم کرتا ہوں۔ کہ حضرت جی پینک سے نکلیے۔ ٹھنڈے پانی سے سر دھوئیے آنکھیں ملیئے اور خبردار ہو کر دوبارہ جلاء العیون کے حاشیہ پر اپنی خامہ فرسائی پر نظر ڈالئے۔

توچہ مے سرائی و آئمہ توچہ مے فرمائیند۔

۱۵۔ امام حسنؓ روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بکرؓ بمنزلہ میرے سمع کے ہیں۔ اور عمرؓ بمنزلہ بصر کے اور عثمانؓ بمنزلہ دل کے ہیں۔

(معانی الاخبار مصنفہ شیخ ابن بابویہ قمی بروایت امام موسیٰ رضا)

۱۶۔ امام جعفر صادق نے فرمایا، ابو بکرؓ اور عمرؓ دونوں امام ہیں۔ عادل ہیں اور انصاف کرنے والے ہیں۔ دونوں حق پر تھے۔ اور میرے حق پر۔ ان دونوں پر رحمت خدا کی قیامت کے دن۔

۱۷۔ اوّل نہار میں ایک منادی آسمان سے ندا کرتا ہے کہ آگاہ ہو جاؤ کہ علی اور ان کے گھر والے مراد کو پہنچیں گے۔ (علی کے گھر والے صرف وہی ہو سکتے ہیں۔ جنہوں نے ان کا حکم مانا کہ وہ جو ہر مقام پر آپ کی مخالفت کرتے رہے اور آپ اپنی خلافت کے زمانہ میں ان سے نالاں رہے)

پھر فرمایا اور شام کے وقت ایک منادی ندا کرتا ہے۔ کہ آگاہ ہو جاؤ کہ عثمانؓ اور ان کے گھر والے مراد کو پہنچیں گے۔ (فروع کافی جلد ۳ کتاب الروضہ بروایت محمد بن علی الحلبی)

۱۸۔ شامیوں کے متعلق حضرت علی کا قول والظاہر ان ربنا واحد ونبینا واحد الخ کہ ہم دونوں کا رب بھی ایک ہے اور نبی بھی ایک ہے (نہج البلاغہ)

سیدنا علی کے ان ارشادات کی روشنی میں صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج متصور سمجھنے میں نبی کے سچے امتی کو کوئی امر مانع نہیں۔

۱۹۔ سیدنا علی کے نزدیک شیطانی گروہ کون ہے۔

قَالَ علی علیہ السلام الزموا السواد الاعظم فان ید اللہ علی الجماعۃ وایاکم والفرقۃ فان الشاذ من الناس للشیطان کما ان الشاذ من الغنم للذئب۔

ایسے لوگوں کے حق میں جو سواد اعظم سے کٹ گئے آپ فرماتے ہیں۔

الا من دعا ھذا الشعار فاقتلوہ ولو کان تحت عمامتی ھذہ

(نہج البلاغہ صفحہ ۹۳) خبردار جو نہیں جماعت سے الگ ہونے کی دعوت دے اگرچہ میری دستار کے نیچے کھڑا ہو اسے قتل کردو۔

ماتم

اے فاطمہ واضح ہو کہ پیغمبر کے مرنے میں گریبان چاک نہ کرنا چاہیے۔ اور بال نہ نوچنے چاہییں۔ اور واویلا نہ کہنا چاہیے ...... اور وہ کرنا چاہیئے جو تیرے باپ نے ابراہیم کے مرنے پر کیا۔ کہ آنکھیں روتی ہیں اور دل دردمند ہے۔ اور میں وہ نہیں کہتا جو موجب غضب پروردگار ہو۔ اور اے ابراہیم میں تجھ پر اندوہناک ہوں اور اگر ابراہیم زندہ رہتا تو لازم تھا۔ کہ پیغمبر ہوتا۔ (جلد اول صفحہ ۱۱۱)

یہاں بھی میاں پوستی نے ایک طویل حاشیہ سپرد قلم فرمایا ہے

اے فاطمہ! جب میں مرجاؤں اس وقت تو اپنے بال میری موافقت میں نہ نوچنا۔ اور اپنے گیسو پریشان نہ کرنا اور واویلا نہ کرنا۔ (جلد ۱ صفحہ ۱۱۲) یہاں بھی میاں پوستی کا طویل الہام حاشیہ پر موجود ہے۔

سیدنا علیؓ کی پرورش

ابن بابویہ نے بسند معتبر روایت کی ہے کہ جناب امیرؑ نے فرمایا۔ بعد رسولؐ پہلی بلا اور امتحان مجھ پر وارد ہوا یہ تھا کہ میرا بغیر حضرت مسلمانوں میں کوئی مونس و مددگار نہ تھا۔ (بارہ ہزار کدھر گئے؟) کہ میں اس پر اعتماد کرتا اور امید و تصرت اُسے رکھتا۔ حضرتؐ نے مجھے بچپن میں تربیت کی۔ اور جب میں بڑا ہوا اپنی پناہ میں رکھا۔ یتیمی سے نکالا۔ میرے اور میرے عیال کے خرچ کی کفالت فرمائی۔ مجھے ہر

حالت سے بے نیاز کیا۔ حضرتؐ کی برکت سے محتاج نہ ہوا۔ اور اسی طرح چند نعمت ہائے دنیا حضرتؐ کی برکت سے مہیا تھیں۔

جز ۱ ـــــ ۱۲۳ - ۱۲۴ (اور جب حضرت نے لڑکی دی تو اسے جی بھر کر ستایا)

ولادت سیّدہ فاطمہؓ

جب خدیجہؓ نے جناب رسول خداؐ کے ساتھ عقد کیا اور زنان مکہ بوجہ اس عداوت کے جو حضرت سے رکھتی تھیں۔ علیحدہ ہو گئیں۔ اور ان کو سلام کرنا چھوڑ دیا۔ اور کسی عورت کو خدیجہؓ کے پاس نہ جانے دیتی تھیں۔ خدیجہؓ کو اس سبب سے کمال صدمہ ہوا۔ لیکن زیادہ رنج و غم خدیجہ کا حضرت رسول خداؐ کے لئے تھا کہ مبادا شدت عداوت کے کوئی صدمہ حضرت کو پہنچے (اس وقت تو بنی مکہ والوں کے لئے آمین و صادق تھے پھر یہ خوف کاہے کا) جب بحمل فاطمہؓ حاملہ ہوئیں۔ جناب سیدہ شکم میں ان سے باتیں کرتی تھیں۔ اور مونس و ہمدم خدیجہ کی تھیں۔ اور خدیجہؓ کو صبر و تسلی دیتی تھیں۔ اور خدیجہؓ اس حالت کو حضرتؐ سے پوشیدہ رکھتی تھیں۔ ایک روز حضرت تشریف لائے اور سنا کہ خدیجہؓ باتیں کر رہی ہیں۔ مگر کسی کو ان کے پاس نہ دیکھا۔ حضرتؐ نے فرمایا اے خدیجہؓ کس سے باتیں کر رہی ہو۔ خدیجہؓ نے کہا یہ فرزند جو میرے شکم میں ہے۔ (باتیں کرتے ہوئے یہ نہ بتایا کہ میں لڑکی ہوں) اور میرا مونس و ہمدم ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا اس وقت جبرائیل نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ فرزند دختر ہے (گویا حضورؐ پر پچیس چھبیس سال کی عمر

اور آپ نے مزید چودہ پندرہ سال میں جبرائیل نازل ہونا شروع ہو گیا۔ اس وحی کو پوشیدہ رکھا) اور وہ نسل طاہرہ یا مین وبا برکت ہے۔ اور حق تعالے میری نسل اس سے ظاہر کریگا۔ اور اس کی نسل سے پیشوا و امامان پیدا ہوں گے۔ اور حق تعالیٰ بعد انقطاع وحی ان کو اپنا خلیفہ زمین پر کرے گا[1] (جز ۱ صفحہ ۱۴۰، ۱۴۱)

اس عبارت سے صاف واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ کی پہلی اولاد سیدہ فاطمہ ہیں۔ سیدہ خدیجہ نکاح سے جلدی بعد امانتدار فاطمہ ہو گئی تھیں۔ اس لحاظ سے بعثت نبوی کے وقت سیدہ کی عمر تقریباً چودہ سال ہوئی اور نکاح کے وقت جو دو ہجری میں ہوا۔ انتیس سال کے قریب ہوئی۔ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

سیّدہ فاطمہؓ کا نکاح

نکاح کے محرک سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا سعدؓ بن معاذ تھے۔ اور مال بھی دیا۔

شیخ طوسی نے بسند معتبر جناب امیر سے روایت کی ہے کہ جناب

[1] میاں پوستی انقطاع وحی کا منکر ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ جبرائیل اوصیائے نبوت کے پاس آتا رہا۔ اور آئندہ بھی آئے گا (صفحہ ۱۱۹ کا حاشیہ)

امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ ابو بکرؓ اور عمرؓ میرے پاس آئے اور کہا۔ حضرت رسولؐ پاس جناب فاطمہؓ کی خواستگاری کیوں نہیں کرتے۔ (جز ۱ ۱۶۹)

پس ابو بکرؓ نے عمرؓ اور سعدؓ سے کہا اٹھو علیؑ کے پاس چلیں۔ اور ان سے کہیں فاطمہؓ کی خواستگاری کرو۔ اگر تنگدستی مانع ہے تو ہم ان کی مدد کریں۔ سعد بن معاذ نے کہا بہت ٹھیک ہے۔ یہ کہہ کر اٹھے اور جناب امیرؑ کے گھر گئے حضرت کو وہاں نہ پایا۔ اس وقت حضرت اپنے اونٹ کو لے گئے تھے۔ اور باغ میں ایک مرد انصاری کی اجرت پر آب کشی کر رہے تھے۔ یہ لوگ اس باغ میں گئے۔ جب جناب امیر کی خدمت میں پہنچے حضرت نے فرمایا کیوں آئے ہو۔ ابو بکرؓ نے کہا اے علیؑ! کوئی خصلت خصلتہائے نیک سے بڑھ کر نہیں۔ مگر یہ کہ تم اور لوگوں پر اس خصلت میں افضل ہو۔ تمہارے اور حضرت رسولؐ کے درمیان جو روابط، یگانگت و مصاحبت دائمی و نصرت و مددگاری اور جو روابط معنوی ہیں وہ معلوم ہیں۔ جمیع قریش نے فاطمہؓ کی خواستگاری کی۔ (لعنت اللہ علی الکاذبین) مگر حضرت نے قبول نہ کیا۔......

جب جناب امیرؑ نے ابو بکرؓ سے یہ سنا آنسو چشم ہائے مبارک سے جاری ہوتے اور فرمایا میرا اندوہ تم نے تازہ کیا۔ اور جو آرزو میرے دل میں پنہاں ہے۔ اس کو تم نے تیز کر دیا۔ کون ایسا ہوگا جو فاطمہؓ کی خواستگاری نہ چاہتا ہوگا۔ لیکن مجھے تنگدستی اس امر کے اظہار سے شرم دلاتی ہے (جز ۱ صـــ ۱۶۹)

علیؑ خدمتِ اقدسؐ میں پہنچے

یاحضرتؐ آپ جانتے ہیں کہ آپ نے مجھے ابوطالب اور فاطمہ بنت اسد
سے لیکر پالا۔ آپ نے اپنی غذا سے مجھے غذا دی۔ آپ نے مجھے ادب دیا۔
اور مجھ پر آپ میرے ماں باپ سے زیادہ مہربان رہے۔ حق تعالےٰ نے
مجھے آپ کی برکت سے چچاؤں اور بزرگوں کی گمراہی سے نجات دی۔
(یعنی ابولہب اور ابوطالب وغیرہ) ..... امیدوار ہوں کہ گھر اور زوجہ
مجھے ملے۔ اور آپ کے پاس خواستگار آیا ہوں۔ کہ اپنی بیٹی فاطمہؑ سے مجھے
تزویج فرما دیجئے۔ (جلد ۱۔ صفحہ ۱۷۰)

شرائطِ نکاح

قرب الاسناد میں بسند معتبر حضرت امام
محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے یہ انتظام فرمایا تھا
کہ خدمت باہر کی مثل لکڑی اور پانی لانے کے جناب امیر کریں۔ اور خدمت
گھر کے اندر کی مثل چکی پیسنے کھانے پکانے جھاڑو دینے کی جناب فاطمہؑ کریں
(جزا ۔ ۱۶۲ - ۱۶۳)

نکاح محرم میں ہوا

شیخ مفید اور ابن طاؤس اور اکثر
اعاظم علماء نے لکھا ہے کہ یہ مزاوجت باسعادت پنج شنبہ شب اکیسویں
ماہ محرم سال سوم ہجرت کو واقع ہوئی۔
(جز ۱ صفحہ ۱۶۶)

مہر کا سامان سیدنا ابوبکرؓ کے مشورہ سے خریدا گیا

دو مٹھیاں ابوبکر کو دیں بازار میں جاکر کپڑا وغیرہ جو کچھ اثاث البیت
درکار ہے لے آ۔ پھر عمار بن یاسر کو اور ایک جماعت صحابہ کو ابوبکر
کے بعد بھیجا۔ اور سب بازار میں پہنچے۔ ان میں سے جو شخص چیز لیتا
تھا۔ ابوبکر کے مشورے سے لیتا تھا۔ (ج ۱ صفحہ ۱۷۷)

سیدہ کا مہر

بسند معتبر امام محمد باقر سے روایت ہے کہ حق تعالےٰ نے حضرت
رسولؐ سے فرمایا۔ میں نے علیؑ کی طرف سے پانچواں حصہ زمین کا اور تیسرا
حصہ بہشت کا فاطمہ کو بخشا۔ اور اس کے لئے دنیا میں چار نہریں مقرر
کیں۔ نہر فرات، نیل مصر و نہروان و نہر بلخ۔ اور تم فاطمہ کو
زمین پر پانسو درہم میں تزویج کر دو (جلد ۱ - صفحہ ۱۸۵)
محمد بن یعقوب کلینی نے بسند معتبر امام محمد باقر اور امام جعفر صادق
سے روایت کی ہے کہ جناب امیر نے ایک چادر کہنہ ایک زرہ تیس
درہم کی۔ اور ایک بچھونا۔ پوست گوسفند کہ جب اس پر آرام کرنا
مقصود ہوتا تو اس کو الٹ لیتے تھے۔ اور اس کے بالوں پر سوتے
تھے۔ جناب فاطمہ کو مہر میں دیا۔
(جلد ۱ - صفحہ ۱۸۷)
حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی ابن ابی طالب سے
فرمایا اے علیؑ! حق تعالیٰ نے فاطمہؑ کو تم سے تزویج کیا۔ اور زمین

اس کے مہر میں عطا کی۔ پس جو کوئی زمین پر چلے اور تمہارا دشمن ہو وہ زمین پر حرام راہ چلتا ہے۔

(مہر لڑکی کے والدین نہیں دیتے شوہر دیتا ہے۔ والدین کی طرف سے جہیز ہوتا ہے۔ ملا مجلسی کو اتنی بھی خبر نہیں)

ولیمہ

جناب امیرؑ نے فرمایا حضرت نے مجھ سے ارشاد فرمایا۔ اے علی! اپنے اعزہ کے لئے عمدہ کھانا تیار کرو۔ اور فرمایا گوشت روٹی میں لاتا ہوں۔ تم خرمے لاؤ...... اور فرمایا اے علی! جاؤ اور جس کو چاہو، بلاؤ مجھے شرم وحیا دامنگیر ہوئی کہ کس کو بلاؤں اور کس کو نہ بلاؤں، پس میں نے بلندی پر آ کر آواز دی کہ ولیمہ فاطمہؑ میں سب لوگ تکلیف کریں۔ یہ سُنکر جمیع حاضرین مسجد سے اٹھ کھڑے ہوئے اور میرے گھر چلے۔

(آپ کا گھر تھا ہی کہاں آپ تو نبی اکرمؐ کے ہمراہ رہائش پذیر تھے بعد میں ایک انصاری نے اپنا مکان آپ کو دیا تھا۔) یہ لوگ چار ہزار تھے اور کھانے میں کچھ کمی نہ ہوئی (جلد ۱ صفحہ ۱۷۵)

منہ دکھائی

حضرت ام سلمہؓ کو فرمایا فاطمہؑ کو لاؤ۔ ام سلمہؓ جناب فاطمہؑ کو لائیں۔ دامن زمین پر لٹکتا اور فرط حیا سے عرق ٹپکتا تھا۔ نہایت شرم وحیا سے سر نہوڑائے تشریف لائیں

جناب فاطمہؑ حضرت رسول خداؐ کے سامنے کھڑی ہوئیں حضرت نے نقاب روئے منور جناب فاطمہؑ سے اٹھا دی۔ کہ علی نے خورشید جمال بے مثال کا مشاہدہ فرمایا۔ (جلد ۱ صفحہ ۱۷۵)

رُخصتی اور زفاف

حضرت نے اپنا اشتر اشہب منگایا اور ایک چادر اس پر ڈال کر فاطمہؑ کو سوار کیا۔ اور سلمان کو حکم دیا کہ اشتر کھینچیں۔ حضرت رسولؐ اشتر کے پیچھے پیچھے جاتے تھے۔ اثنائے راہ میں آوازیں بکثرت سنیں۔ ناگاہ جبرائیل ومیکائیل ستر ستر ہزار فرشتوں کے ہمراہ حاضر ہوئے۔ حضرتؐ نے پوچھا کس لئے آئے ہو۔ جبرائیل میکائیل نے تکبیر کہی۔ اور ان سب فرشتوں نے بھی تکبیر کہی اور عرض کی۔ جناب علی وفاطمہ کے زفاف کی تہنیت کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔

(جلد ۱ - صفحہ ۱۸۴)

* اس وقت جناب سیدہ کو اپنے ناقہ پر سوار کیا۔ بروایت دیگر اپنے اشتر اشہب پر سوار کیا۔ (ابھی تک ناقہ اور اشتر کا فرق معلوم نہیں ہوا مگر ایک لاکھ چالیس ہزار فرشتے نظر آ گئے اور انہیں شاید قطار در قطار کھڑے کر کے گن بھی لیا۔) سلمان نے مہار پکڑی۔ اور گرد جناب فاطمہؓ ستر عورتیں جاتی تھیں۔ اور حضرت رسولؐ وحمزہؓ وعقیلؓ وجعفرؓ اور اہلبیت پیچھے پیچھے جاتے تھے۔ (یہ کون اہل بیت تھے اس وقت تک تو وہی اہلبیت تھے علیؓ اور فاطمہؓ، فاطمہ ناقہ پر سوار ہیں

اور علی کا یہاں نام ہی نہیں - پھر یہ اہلبیت ؟) اور ننگی تلواریں ہاتھوں میں تھیں - زنان رسول آگے آگے جاتی تھیں - (زنان رسولؐ کے ذکر کا تکلف ؟) اور رجز پڑھتی تھیں - (شاید میدان جنگ کی طرف جا رہی تھیں) یہاں تک کہ جناب فاطمہؓ اور جناب امیر کو حجرۂ عزت و شرف و سعادت تک پہنچایا - (ج ۱ صفحہ ۱۸۵)

پیشانی کا بوسہ لیکر فاطمہؓ کو علیؓ کے سپرد کیا - اور فرمایا اے علیؓ نیک بی بی تمہاری بی بی ہے - اور پھر جناب فاطمہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا اے فاطمہؓ ! نیک شوہر تمہارا شوہر ہے - یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو اپنے ہمراہ لے گئے - یہاں تک کہ ان کو ان کے گھر میں جو ان کے لئے خالی کیا تھا پہنچا کر باہر آ گئے - اور دونوں پٹ دروازے کے بند کر دیئے (ج ۱ صفحہ ۱۷۸)

معلوم ہوتا ہے یہ سارا ٹبّر ہی پوستینوں کا ہے - کبھی خچر پر چڑھاتا ہے - کبھی ناقہ پر - اور اب پیدل ہی چلانے کی ٹھان رہا ہے کبھی اپنے حجروں کے درمیان ان کے لئے حجرہ خالی کراتا ہے - اور کبھی اس طرح گھر سے انہیں ہمراہ لیکر نکلتا ہے - جیسے کہیں فاصلہ پر جا رہا ہو - یہاں اس بات کو نہ بھولئے کہ یہ سب پہلی بار رخصتی کی شکلیں ہیں - اور اگر یہ مختلف موقعوں کا ذکر ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبی بار بار اپنی بیٹی کو مختلف شکلوں میں علی کے ہمراہ بھیج رہا ہے اور یہ ڈرامہ کئی بار سٹیج کیا جاتا ہے (العیاذ باللہ)

زفاف

اللہ تعالٰے ان محبّان اہلبیت پر رحم کرے - انہیں ہدایت دے انہیں عقل و شعور دے ، انہیں حیا بخشے اور انہیں صراط مستقیم کی طرف توجہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے - یہ کتنی پست ذہنیت ، گھٹیا سوچ اور سفلہ پن سے بھرے انونان کا حاصل ہے - بات اس قدر تھی کہ صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ طلحہؓ اور سعد بن معاذ کی تحریک سے جناب سیدہؓ کا سیدنا علی کے ساتھ نکاح ہوا - نکاح کے بعد انصار میں سے ایک صحابی نے ان کی رہائش کے لئے اپنا مکان پیش کیا - اور سیدہ اس مکان میں تشریف لے گئیں - مگر ان شیعان علی نے جس طرح دیگر امور میں موشگافیاں کی ہیں - اسی طرح اس نکاح کو بھی ایک ڈرامہ بنا کر پیش کیا ہے - اور یہ ڈرامہ صرف کتابوں تک محدود نہیں رکھا بلکہ آج تک اکثر مقامات پر اس ڈرامہ کو سٹیج کیا جاتا ہے - اودھ کی بیگمات تو اسے اس شان سے سٹیج کرتی رہیں - کہ اس کی گونج آج تک ہالسٹر سلیمن اور شرر مرحوم کی کتابوں کے ذریعے کانوں تک پہنچ رہی ہیں - جس "زفاف" کا ذکر یہ ملا مجلسی کئی مقامات پر چٹخارے لے لے کر کرتا ہے - الامان والحفیظ ! آج تک اس سوقیانہ انداز اور بھونڈے پن سے کسی عام سطح کے خاندان میں بھی اس طرح نہیں کیا گیا - ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ٹیپ ریکارڈر اور کیمرہ لے کر ساتھ ساتھ گھوم رہا تھا - اور بڑی چابکدستی اور فنی مہارت سے اس نے معمولی سے معمولی جزئیات کو بھی ٹیپ ریکارڈر اور کیمرہ کی فلم میں محفوظ کر لیا اور

اب چٹخارے لے لے کر لوگوں کے سامنے بیان کر رہا ہے۔ میں ہرگز ہرگز ایسی حیاسوز باتیں اور وہ بھی ان پاکیزہ اور مقدس ہستیوں کے متعلق جن کے شرم وحیا، پر کائنات شاہد ہے۔ نقل کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ مگر اس وجہ سے ایسا کرنے پر مجبور ہو رہا ہوں کہ وہ بھولے بھالے شیعہ جو محض حب اہلبیت کے مزعومہ نعروں سے متاثر ہو کر صراط مستقیم سے بھٹک چکے ہیں، اور اپنے مذہب کی ضخیم کتابیں پڑھنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ کچھ نہ کچھ واقف ہو جائیں۔

• ام ایمن نے کہا یا رسول اللہ اگر خدیجہ زندہ ہوتیں زفاف فاطمہؑ سے ان کی آنکھیں روشن ہوتیں۔ علی اپنی زوجہ کے خواستگار ہیں۔

(ج ۱ صفحہ ۱۷۴)

• دوسرے دن صبح حضرتؐ پاس آئے اور ہم دونوں ایک لحاف میں تھے (گویا صبح کی نماز نہیں پڑھی اور دونوں لحاف میں پڑے ہیں) دوسرا کپڑا نہ تھا کہ اسے اوڑھ کر باہر آتے۔ (اس سے پہلے یا اس کے بعد کیا اوڑھ کر باہر نکلتے رہے) حضرتؐ نے فرمایا السلام علیکم ہمیں شرم آئی کہ اس حالت میں حضرت کو جواب دیں (مگر لحاف سے پھر بھی نہ نکلے) دوسری مرتبہ حضرتؐ نے سلام کیا اور جواب حیا سے نہ دیا۔ تیسری مرتبہ حضرتؐ نے سلام کیا اور ہم ڈرے کہ اگر ہم جواب نہ دیں گے تو حضرتؐ پھر جائیں گے۔ اور عادت حضرتؐ کی یہی تھی ..... اس وقت مارے شرم کے سیدہ نے جواب نہ دیا۔ میں ڈرا اگر جواب نہ دیا تو حضرت اٹھ جائیں گے۔ اس وقت میں نے سر لحاف سے نکالا .... پھر جناب سیدہ نے سر لحاف سے باہر نکالا

(ج ۱ صفحہ ۱۶۳) (لحاف شاید ملا باقر مجلسی نے بنوا کر بھیجا تھا)

• اے علیؑ اپنی زوجہ کے پاس جاؤ۔ خدا تم کو برکت دے۔ (صفحہ ۱۷۴) (یہ کہنے کی ضرورت؟ کیا کبھی کسی خسر نے ایسا کہا ہے؟)

(ج ۱۔ صفحہ ۱۷۶)

• جناب امیرؑ نے فرمایا (کس کو فرمایا۔ نبیؐ کے صحابہ تو منافق اور آپ کے دشمن تھے۔ اور اولاد کو فرمایا۔ تو یا للعجب ذرا مجلسی صاحب اور، پوستی صاحب اپنی شب عروسی کی داستان اپنی اولاد سے بیان کر کے دیکھیں) شب زفاف حضرت رسولؐ میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اٹھو بنام خدا اور کہو بہ برکت خدا جاتا ہوں اور جو کچھ خدا چاہتا ہے۔ واقع ہوتا ہے۔ (ج ۱۔ صفحہ ۱۷۶)

(ضرور اس سنت پر عمل کیجئے)

• علیؑ کو احباب اور امہات المومنین کہتی ہیں۔ اے برادر تم کس لئے حضرت رسولؐ سے سوال نہیں کرتے کہ فاطمہؑ تمہیں عطا کریں۔ اور تمہارے زفاف سے آنکھیں ہماری روشن ہوں۔

(ج ۱۔ صفحہ ۱۷۶)

• جناب امیرؑ نے فرمایا اس وقت نہایت سردی تھی، میں اور فاطمہؑ ایک عبا میں سو گئے تھے (لحاف کی عبا بن گئی ہو گی) جب حضرتؐ کی آواز ہم نے سنی چاہا اٹھیں (یہ شاید دوسری بار کا ذکر ہو اور بار بار زفاف کی خوشی منائی جاتی رہی ہو) جناب رسول خداؐ نے قسم دلائی تم کو قسم ہے جو تم اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا (معاذ اللہ معاذ اللہ) بیٹی اور داماد کو ایک کپڑے میں سوتا دیکھ کر کوئی بے حیا سے بے حیا بھی یہ

گوارا نہیں کرتا کہ ان کے قریب جائے) جب تک میں نہ آلوں ۔ پس ا
اسی طرح منتظر رہے ۔ کہ حضرت ہمارے سرہانے آکر ہمارے سر
کے نزدیک بیٹھ گئے ۔ اور پائے مبارک ہماری عبا میں پھیلا دیئے
اور داہنا پاؤں حضرت کا میں نے اپنے منہ سے اور بائیاں حضرت
کا فاطمہؑ نے اپنے سینہ سے لگالیا ۔ اور حضرت کے پاؤں گرم کر دیئے

(ج ۱ ۔ صفحہ ۱۷۸)

(کیا سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ کی تعریف ان حیا سوز کلمات کے بغیر ممکن نہ تھی)

فاطمہؑ و علیؑ کا آپس میں سلوک اور سیّدہ کی مشقّت

ایک روز حضرت رسول خداؐ نماز صبح ہمارے ساتھ پڑھ رہے تھے
اور اثر حزن و ملال حضرت کے روئے مبارک سے ظاہر تھا ۔ ناگاہ اٹھ
کھڑے ہوئے اور جناب فاطمہؑ کے گھر تشریف لے چلے ۔ اور ہم بھی حضرت
رسولِ خدا کے پیچھے پیچھے چلے ۔ دروازے پر پہنچے دیکھا جناب امیر دروازہ
میں خاک پر سو رہے ہیں ۔ حضرت جناب امیر کے پاس بیٹھ گئے ۔ اور
خاک جناب امیر کی پیٹھ سے جھاڑنے لگے اور فرمایا ! اے ابوتراب
میرے ماں باپ تم پر قربان اٹھو ۔

(ج ۱ ۔ صفحہ ۱۸۸)

● ایک روز میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر
تھا ۔ ناگاہ جناب فاطمہ گریاں تشریف لائیں ۔ رسولِ خدا نے گریہ کا سبب
پوچھا ۔ جناب فاطمہ نے عرض کی یا باباجان زنان قریش مجھے طعنہ زنی کرتی
ہیں اور کہتی ہیں تمہارے باپ نے مرد پریشان کے ہمراہ تزویج کیا ۔
جو مالدار نہیں ۔ (جلد ۲ صفحہ ۶۵)

● لبسند معتبر جناب امیرؑ سے روایت ہے کہ جناب فاطمہؑ حضرت
رسولِ خداؐ کو محبوب ترین مردم تھیں ۔ اس قدر مشکیزے پانی کے
اٹھائے کہ سینہ مبارک سے اثر ایذا کا ظاہر ہوا ۔ (سیدہ پانی کیوں
ڈھوتی رہیں جبکہ یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ باہر کا کام علیؑ کریں گے
اور اندر کا فاطمہ ہو نہ ؎) اس قدر چکی پیسی کہ ہاتھ مجروح ہوگئے
(غالباً علیؑ محلہ بھر کے دانے اجرت پر پسوانے کے لئے لاتے ہوں گے)
اس قدر گھر میں جھاڑو دی کہ کپڑے گرد آلود ہو گئے ۔ اور اس قدر
کھانے پکائے اور آگ سلگائی کہ کپڑے سیاہ ہو گئے ۔ لہٰذا کثرت
کاروبار سے جناب سیدہ کو سخت تکلیف ہوئی ۔

(ج ۱ صفحہ ۱۹۳) (اس تکلیف کا موجب

● علیؑ کہتے ہیں ۔ پس مجھے آواز دی اور طلب فرمایا ۔ میں نے کہا لبیک
یا رسول اللہ ۔ فرمایا اپنے گھر میں آؤ اور اپنی زوجہ سے شفقت اور مہربانی
کرو اس لئے کہ فاطمہ میری پارہ تن ہے جو اسے آزردہ کرے وہ مجھے

؎ صفحہ ۱۶۲ ۔ ۱۶۳ جلاء العیون جلد اوّل ۔

آزردہ کرتا ہے (ج ۱ صفحہ ۱۷۹)

● جب ارادہ تزویج ہمراہ علی ہوا جناب فاطمہ سے پوشیدہ بیان کیا۔ جناب فاطمہ نے کہا میرا اختیار آپ کو ہے۔ لیکن زنان قریش کہتی ہیں۔ علی بزرگ شکم اور بلند دست ہیں اور بندہائے استخوان پراگندہ ہیں۔ آگے سر کے بال نہیں، آنکھیں بڑی اور ہمیشہ خنداں دہاں اور مفلس ہیں۔ (ج ۱۔ صفحہ ۱۸۱)

● جناب سیدہ سے قبل از نکاح اپنے باپ کے سامنے اپنے ہونیوالے شوہر کے متعلق اس قسم کے کلمات کہلانا شیعوں کا ہی کام ہے۔

● کتاب علل الشرائع وبشارت المصطفیٰ دخوارزمی میں لسند ہائے معتبر روایت ہے، ابوذرؓ اور ابن عباسؓ سے جب جعفر طیار مدینہ میں آئے۔ ایک کنیز کو لبطور تحفہ اپنے بھائی علی ابن ابی طالب کے پاس بھیجا۔ وہ کنیز جناب امیرؑ کی خدمت کرتی تھی۔ ایک دن جناب فاطمہؑ گھر میں آئیں۔ (غالباً کنویں سے پانی لے کر آئی ہونگی) اور دیکھا سر جناب امیرؑ کا اس کنیز کے دامن پہ ہے (یہاں اس بات کو ذہن میں رکھئے کہ جعفر حبشہ سے واپس آتے تھے اور لونڈی یقیناً حبشن ہوگی۔ شیعوں کے جناب امیر نے سیدہ فاطمہؑ سے آنکھیں چرالیں اور وہ پانی لانے کے لئے باہر گئیں تو آپ اس پر رجھ گئے۔) جب یہ حالت دیکھی متغیر ہو گئیں۔ اور پوچھا اس کنیز کے ساتھ کیا تم نے کوئی تعلق کیا ہے۔ جناب امیرؑ نے فرمایا بخدا سوگند اے دختر محمدؐ میں نے اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں قائم کیا۔ (تو زانو پر سر رکھنے کا مطلب) اب جو کچھ تم کو منظور ہے بیان کرو۔ میں بجا لاؤں

جناب سیدہ نے کہا مجھے میرے پدر بزرگوار کے گھر جانے کی اجازت دو۔ جناب امیر نے فرمایا میں نے اجازت دی۔ پس جناب فاطمہؑ نے چادر سر پہ اوڑھی اور اپنے باپ کی خدمت میں پہنچیں۔ (جلد ۱ صفحہ ۱۸۸)

ل پیغمبر کی بیٹی کو اپنے محسن کی بیٹی کو اپنے پرورش کرنے والے کی بیٹی کو ایک حبشن کیلئے علی کے ذریعے گھر سے نکلوانا شیعوں کو ہی مبارک رہے۔ بالکل یہی روایت صفحہ ۱۹۱ پر دوبارہ لکھی ہوئی ہے لے

لے سیدنا علیؓ کا تشدد حضرت سیدہ فاطمہؓ پر۔ اس کی تفصیل کے لئے دیکھیے۔

(۱) بخاری پارہ ۱۴ فضائل داماد رسول، سیدنا ابو العاص
(۲) طبقات صفحہ ۱۶ (۳) اصابہ صفحہ ۷۳
(۴) صحابیات صفحہ ۱۲۷ ملاحظہ کریں۔ حضرت علی سیدہ کی وفات کے وقت بھی موجود نہ تھے۔ (۱) طبقات صفحہ ۱۷ - ۱۸ (۲) اصابہ صفحہ ۷۲۹ (۳) صحابیات صفحہ ۱۳۲-۱۳۳ (۴) ناسخ التواریخ فارسی جلد ۲ صفحہ ۵۱۸

فروع کافی صفحہ ۱۵۵ جلد دوم طبع نولکشور سے بھی ایک روایت سن لیجئے کہ سیدہ فاطمہ اس نکاح پر رضامند ہی نہ تھیں۔ یعقوب بن شعیب کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ نے فاطمہ کا نکاح علی سے کر دیا تو آپ فاطمہ کے پاس گئے اور وہ رو رہی تھیں آپ نے فرمایا کیوں روتی ہے۔ اللہ کی قسم میرے اہل میں اگر کوئی علی سے بہتر ہوتا تو میں تیرا نکاح علی سے نہ کرتا۔

ایک روز شیطان جناب سیدہ کے پاس آیا۔ اور کہا علی ابن ابی طالب نے دختر ابوجہل کی خواستگاری کی ہے۔ جناب سیدہ نے اس شقی سے کہا تو قسم کھا۔ اس نے تین دفعہ قسم کھائی اور کہا جو کچھ میں کہتا ہوں سچ کہتا ہوں۔ جناب فاطمہ کو غیرت آئی۔ اس لئے کہ حق تعالے نے عورتوں کے ضمیر میں بہت غیرت قرار دی ہے۔ جس طرح مردوں پر جہاد واجب کیا ہے۔ اور اس عورت کیلئے جو باوجود غیرت کے صبر کرے۔ ایک ثواب مقرر کیا ہے۔ مثل ثواب اس شخص کے جو مسلمانوں کی حفاظت کے لئے سرحد پر نگہبانی کرے۔ یہ سن کر جناب فاطمہ کو سخت صدمہ ہوا۔ اور متفکر و متردّد ہوئیں۔ یہاں تک کہ رات ہوگئی۔ جب رات ہوئی بائیں کندھے پر حسینؑ کو بٹھایا اور بایاں ہاتھ کلثوم کا اپنے داہنے ہاتھ میں لیا اور اپنے پدر بزرگوار کے گھر لے گئیں۔ جب جناب امیر گھر آئے اور جناب فاطمہ کو وہاں نہ دیکھا تو بہت غمگین ومحزون ہوئے۔ مگر تشریف لے جانے کا سبب نہ نکلا۔ اور شرم وحجاب دامنگیر ہوا کہ جناب سیّدہ کو ان کے پدر بزرگوار کے گھر سے بلالیں۔ پس گھر سے نکلے اور مسجد میں جاکر نمازیں ادا کیں۔ اور ایک تودہ خاک جمع کر کے اس پر تکیہ فرمایا۔ جناب رسول خدا نے جناب فاطمہ کو محزون و مغموم پایا۔ غسل کیا اور لباس بدل کر مسجد میں تشریف لائے۔ اور نمازیں پڑھنی شروع کردیں۔ مشغول رکوع وسجود تھے۔ بعد دو رکعت کے دعا مانگتے تھے۔ خداوندا فاطمہ کے حزن وملال کو زائل کر۔ کیونکہ جس وقت گھر سے باہر تشریف لائے فاطمہ کو دیکھ کر آئے تھے۔ کہ آپ کروٹیں بدلتیں اور ٹھنڈی سانسیں بھرتی ہیں۔ پھر گھر میں تشریف لے گئے۔

دیکھا کہ فاطمہ کو نیند نہیں آتی اور بیقرار ہے۔ فرمایا اے دختر گرامی۔ اے فاطمہ اٹھو۔ جب جناب فاطمہ اٹھیں جناب رسول خدا نے امام حسنؑ کو اور فاطمہ نے امام حسینؑ کو اٹھایا اور ام کلثوم کا ہاتھ پکڑ کر گھر سے مسجد میں تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ قریب جناب امیر کے پہنچے۔ اس وقت جناب امیر آرام فرما رہے تھے۔ اس وقت جناب رسول خدا نے اپنا پاؤں جناب امیر کے پاؤں کے اوپر رکھا۔ اور فرمایا اے ابوتراب اٹھو گھر والوں کو تم نے اپنی جگہ سے جدا کیا ہے۔ جاؤ ابوبکرؓ اور عمرؓ اور طلحہ کو بلالاؤ۔ پس جناب امیر گئے۔ اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کو بلالائے۔ جب قریب جناب رسول خدا کے حاضر ہوئے۔ حضرت رسولؐ نے ارشاد فرمایا۔ اے علیؑ! کیا تم نہیں جانتے کہ فاطمہ میری پارہ تن ہے اور میں فاطمہ سے ہوں جس نے اسے آزار دیا جس نے اسے میری وفات کے بعد آزار دیا گویا ایسا ہے کہ میری حیات میں آزار دیا۔ اور جس نے اسے میری حیات میں آزار دیا ایسا ہے کہ گویا اس نے میری وفات کے بعد آزار دیا۔

(جلد ۱ - صفحہ ۲۱۷ - ۲۱۸)

ابوجہل کی لڑکی کے علاوہ یمن کا قصہ بھی سُن لیجئے۔

حضرت بریدہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو خالد بن ولیدؓ کے پاس یمن بھیجا کہ غنیمت کا پانچواں حصہ لے آئیں۔ میں ان لوگوں میں تھا۔ جنہوں نے حضرت علی کو بُرا سمجھا۔ انہوں نے وہاں غسل کیا (ایک لونڈی سے صحبت کی) میں نے حضرت خالد سے کہا دیکھتے ہو علی نے کیا کیا۔ (بخاری پارہ ۱۷، صفحہ ۲۷، ترجمہ مولوی وحیدالزمان طبع لاہور)

مگر بخاری چونکہ سنیوں کی کتاب ہے اس لئے قابلِ اعتبار نہیں۔

اس لئے حیات القلوب پیش کرتا ہوں۔

حضرت علی کو ایک دستہ فوج دیکر خالد کے ساتھ ایک مہم کے لئے بھیجا۔ وہاں جاکر علی نے ایک قلعہ فتح کیا۔ تو وہاں سے ایک لونڈی پکڑ کر اس سے ہمبستری کی۔ خالد بن ولید نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا۔ جس میں یہ تفصیل لکھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوں جوں یہ خط پڑھتے تھے آپ کا رنگ متغیر اور غیض وغضب کے آثار پیشانی انور سے ظاہر ہوتے تھے۔

(حیات القلوب فارسی طبع نولکشور ص ۶۳۴)

(حیات القلوب اُردو طبع لکھنؤ ص ۸۱۱)

یاد رہے کہ اس وقت سیدہ فاطمہ آپ کے نکاح میں تھیں۔ اور حضرت سیدہ کی موجودگی میں دوسری عورت سے تعلق پیدا کرنا آپ کے لئے حرام تھا۔ (صفحہ ۱۸۷ جلد ۱)

اگر شیعہ مذہب کی تمام تفاسیر، احادیث، روایات و اخبار اور معقولات و منقولات[1] سے قطع نظر صرف اسی ایک روایت پر تنقیحات قائم کی جائیں تو شیعیت کا مزعومہ قصر رفیع چند لمحات میں پیوند زمین ہو کر رہ جاتا ہے۔

۱۔ مولوی اسماعیل درس آلِ محمد والے نے بنات الرسول کے مکتوب مفتوح کے جواب میں بار بار اس لفظ کا اعادہ کیا ہے اور کہا ہے جو معقول و منقول کا علم نہیں رکھتا اس کیلئے ایسے مسئلوں میں پڑنا ..... جائز نہیں۔

شیعہ کہتے ہیں کہ نبیؐ، علیؓ اور فاطمہؓ کو ماکان وما یکون کا علم تھا۔ پھر صرف ایک معمولی سے شیطونگڑے نے ذرا سی انگل ہلا کر اتنا ہنگامہ کیسے پیدا کر دیا۔

علیؓ دیکھتے ہیں کہ بیوی روٹھ کر والد کے گھر جاچکی ہے۔ پھر سیدھے بیوی کے پاس یا سسرال کے ہاں جانے کے مسجد میں جاکر نماز کیوں پڑھنے لگے اور وہیں مٹی کا تکیہ بنا کر کیوں سو گئے۔ بات اصل میں یوں تھی کہ روٹی دو وقت پکی پکائی مل جاتی تھی۔ بیوی پانی ڈھوتی ہے چکی پیستی ہے روٹی پکاتی ہے آپ پیٹ بھر کر مسجد میں جاکر جہاں جگہ ملتی ہے آغوشِ نیند میں جانے کے عادی ہو چکے ہیں۔ گھر کے تقاضوں سے بچنے کا یہ بہترین حربہ تھا۔ اس روز بھی حسبِ معمول آپ نے ایسا ہی کیا۔ پہلی بار نبی مسجد میں آتے ہیں مگر آپ کو نہیں دیکھتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ علیؓ کسی کونے کھدرے میں چھپ کر اپنا معمول ادا کر رہے تھے۔ دوسری بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آتے ہیں۔ تو سیدنا علیؓ پر نظر پڑتی ہے اور پاؤں کی ٹھوکر سے جگا کر کہتے ہیں اٹھو! ابوتراب! آج جو مدعیان علم و فضل ابوتراب کو ایک عزت کا لفظ بنا کر پیش کرنے میں ہلکان ہوئے جا رہے ہیں ان کے منہ پر لفظ ابوتراب اپنے شانِ نزول کی بنا پر ایک تھپڑ ہے آنحضرتؐ دو بار حضرت علیؓ کو ابوتراب کی کنیت سے مخاطب کرتے ہیں، اور دونوں بار ایسے موقع پر یہ کنیت استعمال کرتے ہیں جب سیدنا علیؓ کو مٹی میں لت پت گہری نیند میں مدہوش پاتے ہیں جیسے کوئی غیر ذمہ دار آدمی ہو اور دونوں دفعہ نبی اکرمؐ حضرت سیدہ کی تکلیف سے متاثر ہو کر رنجیدگی کی حالت میں یہ الفاظ استعمال فرماتے ہیں۔ ایسے مواقع

پر ایسا لفظ اپنے اندر شرف مجد کا کون سا پہلو رکھتا ہے۔ پھر تیسیر القطر ان سب سے اہم تر ہے جو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حسنؓ کو نبیؐ نے کندھے پر اٹھا لیا، حسینؓ کو سیدہ نے اٹھایا اور ام کلثوم کی انگلی پکڑ کر مسجد میں لے گئے" اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ سیدہ ام کلثوم سب سے بڑی اولاد تھیں جو اپنے پاؤں سے چل کر مسجد میں پہنچیں، یہ واقعہ اگر چار ہجری کا بھی ہو چونکہ حسنؓ اور حسینؓ کی عمر میں صرف نو ماہ کا فاصلہ تھا (تفصیل اپنے مقام پر آئے گی) تو جس وقت سیدہ ام کلثوم کا نکاح سیدنا فاروق اعظم سے ہوا، اس وقت سیدہ ام کلثوم کی عمر کم از کم دس گیارہ سال ضرور تھی۔ بشرطیکہ سیدنا فاروق اعظم نے اورنگ نشین خلافت ہوتے ہی یہ نکاح کر لیا ہو اور عرب جیسے گرم ملک میں دس سال کی لڑکیوں کا بالغ ہو جانا کوئی مستبعد نہیں، مسجد میں پہنچتے ہی سیدنا علیؓ کو فرمایا جاتا ہے کہ بلاؤ ابو بکر عمر اور طلحہ کو، بھلا کیوں۔ یہ بات بھی سن لیجئے ان اصحابؓ کی تحریک اور تقاضے سے ہی نبی علیہ السلام نے اپنی دختر سیدنا علیؓ کے نکاح میں دی تھی۔ ایسے وقت ضمانت دینے والوں کو طلب کرنا نہایت ضروری تھا۔

اب رہ گیا معاملہ ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کا! سیدنا علیؓ نے یہ ارادہ کیا اور ضرور کیا۔ فریقین کی درجنوں کتابیں اس پر شاہد ہیں۔ اب کوئی میاں پوستی یہ کہتے پھریں کہ وہ کب پیدا ہوئی اور کب جوان ہوئی۔ اس کا نام کیا تھا۔ بعد میں اس کا نکاح کس کے ساتھ ہوا یہ ایسے ہی سوال ہیں جیسے آپ سیدہ کے نکاح کی صحیح تاریخ سے واقف نہیں۔ حضرت سیدین کی پیدائش کی تاریخوں سے واقف نہیں۔ آپ کو

کربلا کے اس واقعہ کی صحیح تاریخ تو درکنار صحیح سال یاد نہیں۔ جس پر آپ نے اتنا کھڑاک مچا رکھا ہے۔ تو ابوجہل کی لڑکی کے ان کوائف کی کیسے ضرورت تھی۔ آپ مندرجہ بالا سوالوں کا صحیح جواب دیجئے۔ ابوجہل کی لڑکی کے حالات مجھ سے سن لیجئے۔ پوستی صاحب آپ کیا جواب دیں گے۔ مجھ سے سن لیجئے۔ ابوجہل کی لڑکی کا نام جویریہ تھا۔

پیغمبروں کے علاوہ کوئی معصوم نہیں۔ ہر آدمی سے بھول چوک ہوتی ہے۔ سیدنا علیؓ کا سر اگر سیدہ فاطمہؓ نے ایک حبشن کے زانو پر دیکھ لیا یا آپ نے ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کا ارادہ کیا تو یہ عین انسانی فطرت ہے۔ اور ہر انسان فطرت کے تقاضوں کے سامنے مجبور ہے۔ ہاں اس مقام پر ملا مجلسی نے ایک اور شوشہ چھوڑ کر سیدنا علیؓ کی ذات والاصفات پر حملہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ حق تعالےٰ نے جناب امیر پر حیات فاطمہؓ میں اور عورتیں حرام کی تھیں (ج ١ صفحہ ١٨٧)

اب کوئی اس بھلا مانس سے پوچھے کہ اگر صورت یہ تھی تو تم خواہ مخواہ شیعان حیدر کرار کے ذہنوں کو پراگندہ کرنے پر کیوں کمربستہ ہو۔

علیؓ نے کنیز آزاد کی

جبرائیل نازل ہوئے اور کہا یا محمدؐ حق تعالےٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور ارشاد کرتا ہے۔ کہ علیؓ سے کہو کہ کنیز آزاد کرنے سے اور فاطمہؓ

کو خوش کرنے سے میں نے تم کو بہشت عطا کی ۔ اور بعوض چار سو درھم جو تم نے تصدق کئے اختیار جہنم تم کو دیا ۔ میری رحمت سے جس کو تم چاہو داخل بہشت کرو یا داخل جہنم ، اور جس کو چاہو میرے عفو سے جہنم سے نکال لاؤ ۔ (ج ۱ صفحہ ۱۸۹)

کیسے سستے سودے ہیں ۔ کہاں تو سیدنا علیؓ کی حرکات سے نبی اکرمؐ کا اس قدر رنجیدہ ہونا اور صرف ایک لونڈی کو آزاد کرنے سے جنت اور جہنم کا مالک بنا دینا ۔

سیدہ زینب بنتِ رسول اللہؐ

● جب مرض جناب فاطمہؓ پر شدید ہوا ۔ جناب امیر کو بلایا ۔ اور فرمایا میں تم کو وصیت کرتی ہوں کہ میرے بعد مرنے کے امامہ میری بہن زینب کی دختر کی خواستگاری کرنا ۔

(ج ۱ صفحہ ۲۱۲)

● یہ کہ امور خانہ داری کے اوقات اور متاع خانہ داری کی وصیت کی اور کہا میرے بعد امامہ بنت ابی العاص کی میری خواہر زینب کی دختر ہے خواستگاری کرنا کہ وہ میرے فرزندوں پر مہربان ہے ۔

(ج ۱ صفحہ ۲۱۶)

● امامہ دختر زینب سے نکاح کرنا کہ وہ میرے فرزندوں پر مہربان ہے ۔ (ج ۱ صفحہ ۲۲۱)

● نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ۔ ایھا الناس تم چاہتے ہو میں تم کو ان کی خبر دوں جو اپنے چچا چچی کے سبب سب سے افضل بہتر ہیں ۔ اصحاب نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ بیان فرمائیے ۔ حضرت نے فرمایا کہ خالو ان کا قاسم فرزند رسول اور خالہ ان کی زینب دختر رسول ہے ۔ (ج ۱ صفحہ ۲۱۸)

بنات الرسول کے سلسلہ میں بہت کچھ کہا گیا اور لکھا گیا ہے [1] میں یہاں صرف ایک بات کی طرف ناظرین کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر زینب ، رقیہ اور ام کلثوم نبیؐ کی بیٹیاں تھیں تو نبیؐ نے کافروں کے نکاح میں کیوں دیں ۔ اس کے ثبوت میں وہ بار بار ولا تنکحوا المشرکین کو پیش کرتے ہیں یہ ایک جاہلانہ بودا اور سطحی استدلال ہے ۔ بعثت سے پہلے نبی علیہ السلام اپنے خاندانی طریقوں کے مطابق عمل کرتے رہے ، سیدہ رقیہ اور ام کلثوم کا نہایت چھوٹی عمر میں ابولہب کے بیٹوں سے نکاح ہوا ۔ اور رخصتی سے پہلے ہی ان میں تفریق ہو گئی ۔ اور یہ ہر دو شہزادیاں یکے بعد دیگرے سیدنا ذوالنورین کے

---

[1] مولانا محمد عبدالستار تونسوی اور مولوی اسماعیل لائلپوری کے مناظرہ کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے ۔ ڈاکٹر یاور حسین کا مکتوب مفتوح ابھی ان لوگوں کے سر پہ قرض ہے ۔

نکاح میں آئیں۔ سیدہ زینبؓ کے متعلق ناسخ التواریخ فارسی کی یہی شہادت کافی ہے اور یہ لفظ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرماتے جب سیدہ فاطمہؓ کی مصائب آمیز زندگی سے غمگین ہوتے۔

سیدنا ابوالعاص رضی اللہ تعالے عنہ شعب بنو ہاشم (جسے یاران طریقت نے شعب ابی طالب بنا دیا) کے زمانہ میں شتر پر گندم اور خرما بار کر کے شعب میں ہانک دیا کرتے تھے۔ اپنی مرضی سے اسلام لائے اور سرور کائناتؐ نے پہلے نکاح پر سیدہ زینبؓ کو رخصت کر دیا۔ آپ سے دو اولادیں ہوئیں۔ سیدہ امامہ جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور سیدنا علی جو فتح مکہ کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب تھے۔ اور آپؐ کے کندھے پر سوار ہو کر کعبہ کی دیواروں سے تصویریں صاف کیں۔ اور بت گرائے تھے (یاران طریقت نے یہاں بھی علیؑ نام سے غلط فائدہ اٹھانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

نبی علیہ السلام کے یہ کلمات متعدد کتب میں موجود ہیں۔ ایک لڑکی میں نے ابوالعاصؓ کے نکاح میں دی اور اس نے حق دامادی ادا کر دیا۔

اب رہ گیا میاں پوستی کا ولا تنکحوا المشرکات کا اعتراض!

تو حضرت جی! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی طالب کی اولاد کی پرورش کی۔ انہیں سنبھالا مگر جب ام ہانی کا رشتہ طلب کیا۔ تو اس چچا نے یہ کہہ کر جواب دے دیا کہ اشراف کا رشتہ اشراف سے ہوتا ہے۔ اور اسے شریف ملا ہبیرہ۔ جو پہلے نبی علیہ السلام کے خلاف جنگیں لڑتا رہا اور آخر میں کہیں بھاگ گیا اور بحالت کفر مر گیا۔

پوستی جی ابوطالب پر تو بقول تمہارے وحی نازل ہوتی تھی تو

اس نے کافر کو کیوں بیٹی دی۔ اور وہ بھی نبی کی آرزو ٹھکرا کر۔ اگر اس سے بھی آپ کی تسلی نہیں ہوتی اور آپ ابوالعاصؓ اور عثمانؓ کو کافر اور منافق ہی کہنے پر تلے ہوئے ہیں تو اس کا جواب بھی سن لیجئے۔

یہ ہے حیات القلوب فارسی کا صفحہ ۵۶۱۔

اس کا مصنف نبی کی تین بیٹیوں کا ذکر کرتے ہوئے کس بھونڈے سوقیانہ اور گستاخانہ انداز سے نبی علیہ السلام کی ذات اقدس پر حملہ کرتا ہے کہ نبی کی نبوت کو ہی اس ظالم نے ہلا کر رکھ دیا ہے۔

پس اگر دختر بعثمان دادہ باشد بنابر آں کہ در ظاہر داخل مسلماناں بودہ است دلالت نے کند بر آں کہ در باطن کافر نبودہ است۔ و تالیف قلب ایشاں و دختر خواستن از ایشاں و دختر دادن بایشاں در ترویج دین اسلام و اعلائے کلمۃ الحق مدخلیت عظیم داشت و دریں با مصالح بے شمار بود کہ اکثر آنہا بر عاقل متامل پوشیدہ نیست و اگر آنجناب اظہار نفاق ایشاں مے نمود و اسلام ظاہر ایشاں را قبول نے فرمود بآں جناب بغیر از قلیلے از ضعفائے نماندند۔ چنانچہ بعد ازاں جناب با امیر المومنین علیہ السلام بغیر از سہ چہار نفر نماندند۔

یعنی اگر نبی علیہ السلام نے عثمان کو بیٹی دی تو عثمان کے ظاہری ایمان کی وجہ سے تھا۔ عثمان کا ظاہری ایمان اس بات کی دلالت نہیں کرتا کہ وہ باطن میں کافر نہ تھا۔ اور کافروں کی تالیف قلب کیلئے ان سے لڑکیاں لینا اور ان کو لڑکیاں دینا اسلام کی ترقی اور اعلائے کلمۃ الحق کے فوائد عظیم کے لئے تھا۔ اور اس میں بے حساب مصلحتیں تھیں۔ جو اکثر عقلمندوں پر پوشیدہ نہیں۔ اگر نبی اکرمؐ ان کے نفاق کا اظہار فرماتے

اور ان کے ظاہری اسلام کو قبول نہ فرماتے ۔ تو آنحضرتؐ کے ساتھ چند کمزور اور ضعیف لوگوں کے کوئی نہ ہوتا ۔ چنانچہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد علیؑ کے ساتھ تین چار آدمیوں کے سوا کوئی نہ رہا ۔

یہ ظالم لکھتا ہے کہ نبی نے منافقوں کو لڑکیاں دیں ۔ اور اس لئے دیں کہ ان کی تالیف قلب منظور تھی ۔ اسی تالیف قلب کی وجہ سے ان کی لڑکیاں لیں ۔ منافقوں اور کافروں کو اس لئے لڑکیاں دیں کہ اسلام میں ترقی ہو سکے ۔ لیکن افسوس! کہ نبیؐ کافروں کو لڑکیاں، دینے کے باوجود سوائے تین چار کے کسی کو مسلمان نہ بنا سکے ۔ گویا نبیؐ کی لڑکیاں کافروں کے گھر ہی رہیں ۔ اور نبیؐ اس دنیا سے نامراد اور ناکام رخصت ہو گیا ۔

ایک دردمندانہ اپیل

میرے شیعہ دوستو! میں نہایت دردمندانہ، ہمدردانہ اور مخلصانہ انداز میں آپ کے سامنے اس حقیقت کو پیش کرنا چاہتا ہوں کہ آپ خود سنجیدگی، تحمل، اطمینان، غور اور تفکر سے اپنی کتب کا مطالعہ کیجئے ۔ آپ کو واضح، بین، وانکشاف اور صاف طور پر نظر آئے گا کہ شیعیت درحقیقت ایک ایسا عجوبہ ہے ۔ جس میں معقولات کا وجود ہے نہ منقولات کا ۔ یہ سب کچھ ایک ہوائی کے سوا کچھ بھی نہیں ۔ اس کے خالقین نے سب سے پہلے "وصایت" کا نظریہ ایجاد کیا ۔

جب اس کا تعاقب شروع ہوا تو "تقیہ" کی آڑ میں پناہ لی ۔ اور ساتھ ہی عصمت آئمہ کی آواز پیدا کر کے عوام کو بھول بھلیوں میں پھنسا ۔ ان کے اذہان کو پراگندہ کرنے کی طرح ڈالی ۔ وصایت[1] کے ابتدائی جھوٹ نے آگے چل کر اپنی ذریت یعنی معصومیت اور تقیہ کی وہ چیستان تیار کی کہ ان سے خود بخود گمراہی کی اور راہیں پیدا ہوتی چلی گئیں ۔ یہ اسی بے سروپائی کے نتائج ہیں کہ آج شیعہ مذہب کا کوئی پہلو یا ایک آدھ مسئلہ بھی ایسا نہیں، کوئی ایک تاریخی روایت بھی ایسی نہیں جس کے کئی پہلو نہ ہوں ۔ اس لئے یہ سبق بھی دیا گیا کہ شیعہ مذہب کے ستر پہلو ہیں[2]

آپ مناظرانہ ذہن اور مجادلانہ انداز سے دستکش ہو کر صرف ایک بات پر آیئے کہ قرآن کے متعلق شیعہ مذہب کے کیا نظریات ہیں ۔ قرآن کتنے ہیں ۔ کہاں ہیں کب سامنے آئیں گے ۔ آپ کا عمل کس قرآن پر ہے تو تمام مسئلے حل ہو جائیں گے ۔

میرے دوستو! بنات الرسولؐ سے آپ اس لئے انکاری ہوئے کہ نبیؐ کی ایک بیٹی کا مقام بلند کر کے دکھایا جائے حالانکہ بقول صاحب تحفۃ العوام آپ

---

[1] وصایت کے نظریہ کا خالق عبداللہ بن سبا تھا ۔

[2] اساس الاصول مصنفہ مجتہد العصر مولوی دلدار علی کا صفحہ ۴۵
ترجمہ ۔ امام جعفر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بے شک میں ستر پہلو رکھ کر بات کرتا ہوں ہر پہلو سے نکل جانے کا راستہ رہتا ہے ۔ ابو بصیر سے یہ بھی روایت ہے کہ میں نے امام جعفر علیہ السلام سے سنا ۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں جب کوئی کلام کرتا ہوں تو اس میں ستر پہلو رکھ لیتا ہوں ۔ جب چاہوں تو اس پہلو کو اختیار کر لوں اور جب چاہوں اس پہلو کو لے لوں (یہ کلام ہے ممنوعہ التقیہ امام کا اور ماموراالتقیہ کا کیا پوچھنا)

اس سلسلہ میں نبی کو ایذا پہنچانے کا موجب بنے۔ سیدنا عمر کے ساتھ سیدہ ام کلثوم بنت علیؑ کے نکاح کے اسی لئے انکاری ہوئے کہ مجوسیت کو فاروق اعظم نے دنیا سے نیست و نابود کیا تھا۔ آپ نے علیؓ اور فاطمہؓ کو در بدر پھرایا۔ اور گلیوں میں گھسیٹا اور محض اس لئے کہ صحابہ کرامؓ کی شان میں کلمات کفر کا جواز پیدا ہو سکے۔ وہ تو ہونے سے رہا۔ مگر آپ سیدنا علیؓ اور سیدہ فاطمہؓ کو بجائے معصومیت کا مقام دلانے کے ان کی "بے ادبی" کا موجب ضرور بنے آپ نے "وھابیت" کا ثبوت پیش کرتے کرتے یہاں تک۔ ذلت آمیز حربے استعمال کئے کہ معاذ اللہ نبی نے اسلام کی ترویج کے لئے کفار کو لڑکیاں دیں۔ مگر اس کے باوجود بھی سوائے تین چار کے کوئی سچا مسلمان بنیؐ نہ بنا سکا۔ امت مرحومہ نے آج تک۔ اس معاملہ میں غض بصر سے کام لیا۔ اور اس طرف کوئی اعتناء نہ کیا۔ آخر کسی کو کیا پڑی تھی کہ آپ کے ان پرائیویٹ معاملات میں پڑتا۔ گو سب صحابہ کا سلسلہ صدیوں سے جاری تھا۔ اور وہ کسی حد تک آپ کی کتابوں کی زینت تھا۔ چند منہ پھرے کہیں کہیں اپنی مجالس میں کچھ کہہ اٹھتے تھے۔ اور اب جبکہ علی الاعلان لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے گلیوں اور کوچوں میں مجالس و محافل میں آپ کے واعظین اور ذاکرین نے ایک منظم ضبط کے تحت اس کار بد پر اپنا زور بیان ختم کرنے کی گویا قسم اٹھا رکھی ہے۔ تو ہمیں بھی یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم اس کے ازالہ اور دفعیہ کے وسائل اپنے مقدور بھر عمل میں لائیں۔ بفضلہٖ ایک گروہ اور ایک جماعت نہیں بلکہ کئی جماعتیں آپ کے نظریات اور آپ کی پیش کردہ تاریخوں کی غلط بیانیوں کی تطہیر کیلئے میدان عمل میں آ چکی ہیں۔ آج تک آپ کا کوئی مجتہد کوئی مبلغ اعظم کوئی فاضل کوئی عالم کسی ایک متنازعہ امر میں عہدہ برآ نہیں ہو سکا۔ اور نہ آئندہ اس کی امید رکھی جا

سکتی ہے۔ چونکہ آپ کا تمام علمی سرمایہ تضادات کا مجموعہ اور دیو مالائی داستانوں کا پلندہ ہے۔

اب چھوڑیئے ضد اور ہٹ دھرمی کو۔ اپنی مخصوص مجلسوں میں گرجنے برسنے کو خیر باد کہہ دیجئے۔ عوام کو حب اہلبیت کے نام پر گمراہ نہ کیجئے۔ ان ھذا صراطی مستقیما کو غور سے پڑھئے اور سیدھے راستے پر آجایئے۔ ورنہ میری ان باتوں کو مجذوب کی بڑ نہ سمجھئے وہ وقت انشاء اللہ قریب آنے والا ہے کہ آپ کے حواری ہی آپ کا راستہ کاٹنے کو تیار ہو جائیں گے۔

مقام قبر فاطمہؓ

مقام قبر جناب فاطمہؓ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں بقیع میں نزدیک قبور آئمہ ہے۔ بعضے کہتے ہیں درمیان قبر رسول خدا اور منبر آنحضرت جناب سیدہ دفن ہیں۔ اس لئے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا۔ میری قبر اور منبر کے درمیان ایک باغ ہے باغہائے بہشت سے اور میرا منبر ایک دروازہ ہے دروازہ ہائے بہشت سے (افسوس کہ آپ کے شیعوں نے حضرت امیرؑ کو ایک دن بھی اس منبر پہ بیٹھنے کا موقع نہ دیا۔ اور دھوکے اور فریب سے کو ڈولے گئے) اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ جناب فاطمہ کو گھر ہی میں دفن کیا

(ج ۱ صفحہ ۲۲۸)

ناگاہ قبر شریف زمین کے برابر ہو گئی اور نشان باقی نہ رہا۔ اور

تاروز قیامت دریافت نہیں ہو سکتا کہ قبر کہاں ہے۔

(ج ۱ صفحہ ۲۲۸)

تبصرہ

حضرات شیخین رضؓ کے خلاف زہر اگلتے اگلتے سیدہ فاطمہ کی قبر تک کو ملیامیٹ کر دیا۔ اسی جلاء العیون میں ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ سیدہ کی قبر کے ساتھ علی نے چالیس اور قبریں تیار کیں۔ تاکہ کوئی منافق سیدہ کی نعش نکال کر بے حرمتی نہ کرے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ مجہول بکنا کیا چاہتا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ میری اس بکواس سے جناب سیدہ کی عزت کا کوئی پہلو سامنے آتا ہے یا سراسر ذلت اور رسوائی کا۔

خدا ان محبان اہلبیت کو ہدایت دے۔ یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم !

عمر شریف جناب فاطمہ رضؓ

عمر شریف بوقت وفات اٹھارہ سال تھی۔ بعض نے انتیس سال بعض نے پینتیس سال، بعضوں نے سینتیس سال اور بعض نے اٹھتیس سال بھی کہی ہے۔ (ج ۱ صفحہ ۲۳۲)

لیجئے یہ مسئلہ بھی میں حل کر دیتا ہوں۔ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا

ہے کہ سیدہ خدیجہ نکاح کے فوراً بعد امانتدار سیدہ فاطمہ ہو گئیں۔ گویا جب نبی علیہ السلام کی عمر چھبیس سال تھی آپ پیدا ہوئیں۔ چودہ سال قبل نبوت کے تیس سال نبوت کے اور چند ماہ صدیق اکبرؓ کی خلافت کے اس لحاظ سے آپ کی عمر بوقت وفات سینتیس سال تھی۔ اور یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ سیدہ فاطمہ نبی اکرمؐ کی تمام اولاد سے بڑی تھیں۔ اور قبل نبوت پیدا ہوئی تھیں۔

علی رضؓ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے

یہاں اس بات کو بغور ذہن نشین کیجئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے بہت پہلے عمرو بن لحی نے بیت اللہ میں ایک بت لا کر رکھا تھا۔ اور پھر اس پر جدتیں شروع ہو گئیں۔ ہر قبیلہ نے اپنا جدا بت گھڑا اور کعبۃ اللہ میں رکھدیا۔ اس روایت پر سب متفق ہیں کہ نبی اکرمؐ کی بعثت کے وقت ۳۶۰ بت تھے اور خانہ کعبہ کی دیواروں پر جو تصویریں تھیں۔ ان کا حساب ہی نہ تھا۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے ذرا ذہن کو اس طرف منعطف کیجئے کہ جب کسی بت خانہ سے بت دور کر کے اس میں باقاعدہ نمازیں پڑھنی شروع کی جائیں تو وہ بت خانہ ہی رہے گا یا مسجد بن جائے گا۔ اور جس مسجد میں نماز کی بجائے بت رکھے جائیں۔ ان کی آرتی اتاری جائے ان کی پوجا شروع ہو جائے ان سے حاجتیں طلب کی جائیں تو مسجد رہے گی یا بت خانہ بن جائے گا۔ سیدنا علی کی پیدائش کے وقت یعنی دس سال قبل نبوت خانہ کعبہ بت خانہ تھا

وہاں تمام مشرکانہ اعمال کی ادائیگی ہوتی تھی۔ اب علی کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے ان کے شیعہ فاطمہ اسدیہ زوجہ ابو طالب کو وضع حمل کے وقت گھسیٹ گھساٹ کر بت خانہ میں پہنچاتے ہیں۔ یہ صورت تو الگ رہی اب دوسری صورت بھی سن لیجئے۔

تمام بے فکرے اپنے فرصت کے لمحات کعبہ کے صحن میں گزارتے تھے۔ کہیں ابوجہل اپنے یاروں کے جھرمٹ میں بیٹھا ہے کہیں اور کوئی۔ اور وضع حمل کا وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت جس قدر پردہ کا اہتمام کیا جاسکے کیا جاتا ہے۔ مگر ابو طالب ایسی حالت میں کہ بیوی دردِ زہ میں مبتلا ہے۔ اسے پکڑ کر مجمع عام کے درمیان سے گزار کر بت خانہ میں لے جاتا ہے۔

شرم تم کو مگر نہیں آتی ۔

۱ - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ وحی سنی، اٹھا اور قریب فاطمہ بنت اسد اس وقت پہنچا جبکہ وہ دردِ زہ میں مبتلا تھیں پس جبرائیل نے کہا یا محمدؐ میں آپ کے اور ان کے درمیان پردہ ڈالتا ہوں ۔ (گویا تیس سال کی عمر میں نبی علیہ السلام پر وحی نازل ہونا شروع ہو گئی تھی) آپ پردہ کے پیچھے بیٹھئے جب علی پیدا ہوں اپنے داہنے ہاتھ سے ان کو اٹھا لیجئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جبرائیل نے مجھے آواز دی کہ اے محمدؐ اپنا ہاتھ بڑھایئے اور علی کو اٹھا لیجئے۔ میں نے اپنا داہنا ہاتھ بڑھایا اور علیؑ میرے ہاتھ میں آگئے (خود بخود) جب میں علیؑ کو قریب لایا علیؑ نے اپنا داہنا ہاتھ اپنے داہنے کان پر رکھا اور بآواز بلند آذان واقامت کہی۔ (ج ۱ صفحہ ۲۵۸)

(کون سی آذان اور اقامت، حالانکہ یہ بات تواتر کی حد تک مسلمہ ہے کہ آذان کی ابتدا مدینہ میں عمرؓ کے مشورہ سے ہوئی ۔

۲ - امام زین العابدین سے روایت ہے کہ ایک روز فاطمہ بنت اسد گرد کعبہ طواف کر رہی تھیں - اور جناب امیر شکم میں تھے - اثنائے طواف فاطمہ بنت اسد کو دردِ زہ ہوا - اس وقت بقدرت الٰہی دیوار کعبہ شگافتہ ہو گئی اور فاطمہ خانہ کعبہ میں گئیں اور جناب امیر اس مکان مکرم محترم میں طاہر و مطاہر متولد ہوئے - (ج ۱ - صفحہ ۲۵۵)

۳ - ابو طالب کو نبی اکرمؐ نے غمگین و ملول دیکھ کر وجہ دریافت کی تو ابو طالب نے کہا - فاطمہ دردِ زہ سے مضطرب ہے - یہ سن کر حضرت رسولِ اکرمؐ ابو طالب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر قریب فاطمہ بنت اسد کے آئے اور فاطمہ کو قریب کعبہ معظمہ لائے اور فاطمہ کو کعبہ کے اندر لے گئے اور کہا بنام خدا بیٹھو کہ وہ فرزند مکرم اس مکان محترم میں پیدا ہوگا - ناگاہ علیؑ پاک و پاکیزہ کہ کوئی کثافت نہ تھی ناف بریدہ ختنہ کئے ہوئے متولد ہوئے ۔

(ج ۱ - صفحہ ۲۵۵ - ۲۵۶)

۴ - فاطمہ بنت اسد کہتی ہیں - جمیع زنان عالمیاں پر جو مجھ سے پہلے گزری ہیں - مجھے فضیلت دی - اس لئے کہ مجھ سے خانہ برگزیدہ حق تعالےٰ میں فرزند پیدا ہوا - اور میں تین روز اس خانہ محترم میں رہی ، طعام و میوہ ہائے بہشت کھائے (ج ۱ صفحہ ۲۴۹)

۵ - پس فاطمہ تین روز خانہ کعبہ میں رہیں - (ج ۱ صفحہ ۲۴۸)

اس طرح اس سطر سے پہلے بڑی طویل تمہید ہے - کہ فاطمہ نے دعا کی کہ میں تمام پیغمبروں پر ایمان لائی وغیرہ وغیرہ

علیؑ کی پیدائش

علیؑ کی پیدائش کے وقت نبی علیہ السلام کی عمر تیس برس تھی۔

(ج ۱ صفحہ ۲۵۱)

حضرت مجلسی کی ایک کتاب میں علی کی پیدائش کے متعلق چھ مختلف روایات ہیں جو سب کی سب ایک دوسری سے متضاد ہیں۔ اسی طرح اگر شیعہ مذہب کی باقی کتب سے بھی پیدائش علیؑ کے مناظر کا احاطہ کیا جائے تو نا معلوم کس قدر تضادات سامنے آئیں گے۔

حضرت علیؑ کی پرورش

جناب امیرؑ کو مغل اطفال میں لپیٹا۔ جناب امیر نے اس کو پھاڑ ڈالا۔ پھر مضبوط کپڑے میں لپیٹا اس کو بھی پھاڑ ڈالا۔ آخر یہاں تک کہ دو تین چار کپڑوں میں لپیٹا، سب کو پھاڑ ڈالا۔ پھر چھ جامہ دیبا میں لپیٹا اور مضبوط چمڑا اس پر لپیٹ دیا۔ جناب نے سب کو پھاڑ ڈالا۔ ج ۱ صفحہ ۲۵۰

ولیمہ

تین سو اونٹ اور ایک ہزار گوسفند و گائے ذبح کئے۔

ج ۱ صفحہ ۲۵۰

تبصرہ

یہ بار بار کی لپیٹا لپیٹی اور وہ بھی دیبا جیسے قیمتی کپڑے میں اور ولیمہ میں اس قدر جانوروں کا ذبح کرنا (ملا صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ پیدائش پر عقیقہ ہوتا ہے ولیمہ نہیں ہوتا۔ ولیمہ نکاح کے موقع پر ہوتا ہے۔) ابوطالب جیسے قلاش اور مفلس کے لئے بیان کرنا، ملاں مجلسی کا ہی کام ہے۔ ابوطالب غریب تو اس قدر نادار تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے افلاس اور ناداری سے متاثر ہو کر علیؓ کو اپنے گھر لے گئے۔ اور دوسرے بیٹے کو عباسؓ کے سپرد کیا۔ ابوطالب لنگڑا تھا اور دور دراز کے ملکوں کی تجارت سے معذور تھا۔ گھر میں ہی خوشبوئیں وغیرہ بیچ کر بمشکل گزارہ کرتا تھا [1]

علیؓ نے پیدا ہوتے ہی قرآن پڑھا

طویل تمہید کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ اس کے بعد قرآن جو مجھ پر نازل ہوا بغیر اس کے کہ مجھ سے سنا ہو پڑھا۔ میں نے علی سے باتیں کیں۔

(ج ۱ صفحہ ۲۵۵)

[1] تفصیل کیلئے دیکھیے حقیقت مذہب شیعہ صفحہ ۱۲۹ تا ۱۳۸

حبیب کون ہے

ابن عباس نے کہا کہ حضرت اس روز (یعنی وفات کے دن) مکرر فرماتے تھے۔ میرے حبیب کو بلاؤ اور جس کو لوگ سامنے لاتے تھے اس سے حضرت منہ پھیر لیتے تھے۔ جناب فاطمہؑ سے لوگوں نے کہا ہمیں یقین ہے۔ کہ آپ حضرت علی ابن ابی طالب کو بلاتے ہیں۔ جناب فاطمہ گئیں اور جناب امیر کو بلا لائیں نظر مبارک سید انبیاء، روئے منور سید اولیا پر پڑی ہنسنے لگے۔

(ج ۱ صفحہ ۱۲۳)

علیؑ نے قرآن پیدا ہوتے ہی بغیر نبی کے پڑھائے پڑھ لیا۔ اس کے بعد تینتیس سال زندگی کے نبی کے سائے میں گزارے مگر وفات کے وقت اور تو سب موجود ہیں سید اوصیا موجود نہیں۔ اور کسی کو بشمول فاطمہؓ اور حسنینؓ اور عباسؓ اس وقت معلوم نہیں کہ نبیؐ کا حبیب کون ہے۔ بار بار مختلف لوگوں کو پکڑ پکڑ کر نبی کے پیش کر رہے ہیں۔ مگر نبیؐ ہر بار منہ پھیر لیتے ہیں جب ہمیں جا کر حضرت ابوترابؓ کو کہیں کسی مقام سے غالباً مٹی پر سے سوتا ہوا پکڑ کر لاتے ہیں تو نبی کے چہرے پر خوشی کے آثار پیدا ہوتے ہیں [1]

---

[1] حقیقت مذہب شیعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کوئی سجاد بخاری تفسیر ابن کثیر کے حوالے سے حضرت فاروق اعظمؓ کے متعلق گوہر فشاں ہیں۔ عمر کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ حضورؐ کے بعد خلیفہ کون ہے (المبلغ مئی ۶۳ء) حضرت بخاری صاحب نبی کے آخری وقت (باقی صفحہ ۸۷ پر دیکھیے)

علیؓ کا قاتل شیعہ تھا

حضرت علیؓ کی شہادت

یہاں بھی طویل تمہید کے بعد نبی علیہ السلام کی طرف یہ روایت منسوب کی گئی ہے کہ اے علی سو ہزار شمشیر عراق تمہاری مددگار رہوں گی۔

(ج ۱ صفحہ ۲۵۸)

• حضرت علیؓ نامہ اور فہرست اسامی پڑھ رہے تھے۔ جب نظر ابن ملجم تک پہنچی تو فرمایا تو ہی عبدالرحمٰن ابن ملجم ہے اس نے عرض کی ہاں! یا امیر المومنین میں ہی ہوں۔ حضرت نے فرمایا عبدالرحمٰن پر لعنت ہو اس ملعون نے کہا یا حضرت میں تو آپ کا دوست ہوں۔ حضرت نے فرمایا تو جھوٹا ہے۔ بخدا سوگند تو میرا دوست نہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۶ سے آگے

نا معلوم کتنا وقت حضورؐ اپنے حبیب کو بلانے کا تقاضا کر رہے ہیں۔ مگر کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ حبیب کون ہے اور ایک تفسیر سے آپ کو معمولی سے لفظ مل گئے تو آپ پنساری بن گئے۔

ابن ملجم نے آپ کی بیعت کی

اور تیسری بار حضرت نے اس سے بیعت لی جب وہ چلا حضرت نے پھر اسے بلایا اور قسمیں دیں کہ بیعت سے نہ پھرنا اور عہد و پیمان لئے پختہ و محکم اس سے لئے پھر جب وہ چلا پھر اسے بلایا اور مکرر تاکید کی

(ج ا صفحہ ۲۶۰)

زخمی ہونے کے بعد ابن ملجم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں، کیا میں تجھ پر مہربان نہ تھا۔ کیا میں نے تجھے اوروں پر اختیار نہیں کیا۔ کیا تجھ سے میں نے احسان نہیں کیا۔ اور لوگوں سے زیادہ عطا نہیں کیا (ج ا۔ ۲۸۲)

سیدنا علیؓ نے پیدا ہوتے ہی قرآن پڑھا۔ آذان دی اور اصل بات یہ کہ آپ رب السموات والارض تھے۔ آپ جانتے تھے۔ کہ ابن ملجم میرا قاتل ہے تو پھر اپنے قاتل کو اپنی بیعت میں داخل کرنے کا مطلب؟

بات ابن ملجم پر ہی ختم نہیں ہوتی آپ کے تمام شیعہ ہی اس قسم کے تھے۔

چنانچہ مجلسی صاحب فرماتے ہیں کہ جناب امیر نافرمانی و نفاق و شقاق اصحاب سے دل تنگ ہوئے اور لشکر معاویہؓ نے اطراف نواحی ملک جناب امیر پر غارت شروع کی (لعنت اللہ علی الکاذبین) اور بغرض محال اصحاب معاویہؓ نے غارت شروع کی تو علیؓ کے بھائی عقیلؓ بھی ان غارتگروں میں شامل تھے) اور اصحاب نے نصرت و مددگاری نہ کی۔ اس وقت جناب امیر نے بالائے منبر ارشاد فرمایا

بخدا سوگند مجھے منظور ہے کہ خدا مجھ کو تم سے اٹھالے۔ پھر ارشاد کیا خداوندا تو جانتا ہے کہ میں ان سے تنگ آگیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آگئے ہیں۔ (آپ تو ان کی نافرمانیوں سے تنگ آئے۔ مگر وہ آپ سے کیوں تنگ آئے۔۔۔۔۔

میں ان سے ملول ہوں اور یہ مجھ سے ملول ہیں۔ خداوندا مجھے ان سے، راحت عطا کر اور ان کو مبتلا بہ بلا اس شخص کے ہاتھ سے کر کہ بعد اس کے یہ مجھے یاد رکھیں چنانچہ کربلا کے مقام پر ہلال بن نافع بھی حضرت حسینؑ کو مخاطب کر کے کہتا ہے یا ابن رسول اللہ آپ کے جد بزرگوار سے نہ ہو سکا کہ اپنی محبت قلوب مردم میں مستحکم کرتے اور ان کو اپنی اطاعت پر ثابت قدم رکھتے۔ بہت منافقین ایسے تھے کہ ان سے وعدہ نصرت کرتے تھے اور در اصل مکر و عذر پر مستعد تھے۔ یہاں تک کہ انتقال فرمایا اور آپ بھی آج اس گروہ اشرار کے عذر و مکر میں گرفتار ہیں۔ (جلد ۲ صفحہ ۱۷۰)

تبصرہ

معلوم ہوتا ہے آپ کی اس دعا نے الٹا اثر کیا۔ تاریخیں ان حقائق و شواہد سے پُر ہیں کہ جب سیدنا حسنؓ نے امر خلافت سیدنا معاویہؓ کے سپرد کر کے ان کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ تو اس سال کو لوگوں نے عام الجماعت کا نام دیا۔ سیدنا معاویہؓ نے قاتلین عثمانؓ کو جندہ میں لٹکانے لگا دیا۔ جو لوگ سیدنا علیؓ کو تخت خلافت پر بٹھانے کا موجب تھے۔ ان کا مقصد سیدنا علیؓ کی آڑ میں اپنے اس قتل عثمانؓ کے جرم سے بچنا تھا۔ سیدنا علیؓ بجائے

اس کے کہ ان سے قصاص لیتے ان کی مدد سے آپ نے امت کو ایک خلافت پر مجتمع کرنے کی کوشش کی جس میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ آپ کا چار پانچ سالہ دورِ خلافت اگر اسے خلافت کہا جائے۔ (چونکہ آپ کی خلافت پر اجتماع نہ ہو سکا ان کے لئے کانٹوں کا تاج بنا رہا۔ اور آخر اپنے ایک شیعہ کے ہاتھ سے جام شہادت نوش فرما کر عازم خلد بریں ہو گئے) تو مسلمانوں کے لئے ایسا بدترین دور تاریخ اسلام میں ملنا محال ہے

حضرت علیؓ کی نصیحتیں

جلد ۱ صفحہ ۲۷ ، ۲۷۱

میں آپ کی نصائح نمبروار درج کرنا چاہتا ہوں تاکہ آپ کے شیعوں کا عمل ان نصائح پر واضح کرنے میں آسانی رہے۔

۱۔ درباب قرآن خدا کو اس طرح یاد رکھو کہ کوئی تم پر عمل کرنے میں اس پر سبقت نہ کر سکے۔

اقول۔ ذرا مہربانی کر کے وہ قرآن دکھایئے۔ جس پر سیدنا علیؓ عمل کرنے کی ترغیب فرما رہے ہیں۔ قرآن تو آپ نے سربمہر کر کے بند کر دیا تھا جسے آپ اپنے دورِ خلافت میں بھی ظاہر نہ کر سکے اور فرمایا کہ یہ قرآن تم قیام قائم آلِ محمد تک نہیں دیکھو گے۔ موجودہ قرآن تو اہلِ سنت کا ہے۔ اگر آپ نے اس پر عمل کرنے کی ہدایت فرما رہے تو تم کتنے نافرمان ہو کہ تمہارا جو ایرا غیرا اٹھتا ہے اس پر اعتراض جڑ دیتا ہے۔

۲۔ خدا کو درباب خانہ کعبہ یاد کرو۔ کہ ہرگز جب تک تم ہو وہ تم سے خالی نہ رہے۔ اس لئے کہ اگر حج خانہ کعبہ کو ترک کرو گے مہلت نہ پاؤ گے اور بہت جلد عذاب خدا تم پر نازل ہو گا۔

اقول۔ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر بتایئے کہ آج کتنے شیعان علی حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ حج کے موقعہ پر بمشکل آپ کی تعداد ایک فی ہزار بھی کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کربلا کا حج بڑی دھوم دھام سے کیا جاتا ہے۔

ایسا کیوں نہ کیا جائے جبکہ "کعبہ کی زمین نے کربلا پر فخر کیا تو خدا نے اس کی طرف وحی کی کہ خاموش ہو جا اور فخر نہ کر اس لئے کہ .... میں نے اس میں موسیٰ سے کلام کیا۔ زمین کربلا ربوہ ہے[1] مریم اور عیسیٰ مسیح کو اس میں میں نے جگہ دی۔ الیٰ ربوۃ ذات قرار معین، شاطی الوادی، الایمن کربلا ہی ہے۔ معین نہر فرات ہے۔ بہشت کے پرنالے فرات میں جاری ہوتے ہیں۔

(تلخیص تصویر کربلا صفحہ ۹ - ۱۰)

چنانچہ شیعوں کے مجتہد حائری صاحب فرماتے ہیں۔ اندریں حالات مسلمانوں کو ان کے بیت اللہ شریف کا حج نہ کرنے پر متعجب نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ شیعوں کی معتبر کتب میں کعبہ سے زیادہ کربلا کا ثواب لکھا ہے اور بالخصوص عرفہ کے دن جو نہم ذوالحج کو روز حج ہے قبر حسینؑ کی زیارت کرنے کا ثواب اس قدر بیان کیا گیا ہے کہ کوئی شیعہ اسے چھوڑ کر کعبہ کا

---

[1] اب ربوہ ضلع سرگودہا میں آگیا ہے اور مرزائیوں کا گڑھ ہے

رخ نہیں کر سکتا۔ اسی لئے شیعہ بھولے سے بھی مکہ کا رخ نہیں کرتے۔ چنانچہ
جامع عباسی کے صفحہ ۳۰ پر لکھا ہے کہ حج کے دن زیارت کرنے سے ایسے
بیس حج اور عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ جو کسی نبی یا امام کے ساتھ کئے ہوں
بعض روایات کے مطابق ایک حج مقبول اور دس لاکھ جہادوں کے
برابر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نوے حج میرے حجوں
سے اور ہر ایک حج کے ہمراہ عمرہ بھی کیا ہو اس کا ثواب اس فرزند
(حسینؑ) کے زائر کو ملے گا (جلد ۲ صفحہ ۱۰۵)

آگے چل کر یاران سرپل نے کربلا کا پتہ بھی کاٹ دیا۔ چنانچہ
مجلسی لکھتا ہے کہ فرمایا امام موسےٰ رضا نے۔ پس جو کوئی اس میری غربت
میں زیارت کرے گا۔ خداوند عالم ایک لاکھ شہید ایک لاکھ صدیق ایک
لاکھ حج کرنے والوں کا اور ایک لاکھ عمرہ کرنے والوں کا اور ایک لاکھ جہاد
کرنے والوں کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھے گا۔ اور ہمارے زمرہ
میں وہ شخص محشور ہوگا۔ اور درجات عالیہ بہشت میں ہمارا رفیق ہوگا۔

(جلد ۲ صفحہ ۱۷۲)

یاد رہے کہ آپ کو ہارون الرشید کے مقبرہ میں دفن کیا گیا تھا۔
اب علیؑ کے اس حکم کی کیا قدر رہ جاتی ہے کہ تم خدا کو درباب کعبہ
یاد کرو۔

صفحہ ۱۸ جلد تصویر کربلا میں ہے کہ عید کے دن اور عرفہ کے دن،
زیارت کرنے سے ہزار حج اور ہزار عمرہ مبرور کا ثواب ملتا ہے۔

(بحوالہ رسالہ نمبر ۲۰ الموسوم بہ کربلا شائع کردہ
دائرۃ الاصلاح محرم صفحہ ۸ تا ۱۰ ۱۳۷۱ھ)

مجھے بڑا تعجب اس بات پر ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول
کی طرف منہ کر کے یہ لوگ کیوں نمازیں پڑھتے ہیں اور اگر وہ ایسا کریں
تو اپنے مجتہد العصر والزمان سرکار شریعتمدار قبلہ حائری صاحب کے
فتوے کے مطابق کہ شیعہ مذہب ہر پہلو سے اہلسنت سے مختلف ہے
اور ناجی ہونے کی شرط یہ ہے کہ ہر کام میں اہلسنت کی مخالفت کیجائے
انہیں جرأت سے کام لے کر فوراً اعلان کر دینا چاہیئے۔ کہ آئندہ کربلا
کی طرف یا مشہد کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے۔

۳۔ خدا کو درباب نماز یاد کرو۔ کہ وہ بہترین اعمال اور ستون دین ہے
اقوال۔ سیدنا علیؑ کو کیا معلوم تھا کہ میں کن لوگوں کو بتا رہا ہوں
کہ نماز دین کا ستون ہے۔ اس طرح تو نماز ارکان دین میں شمار ہو
جائے گی۔ اور شیعہ اسے فروعات دین سے بھی شاید کبھی وقت خارج
کر دیں۔ عملاً تو ایسا کر رہے ہیں۔ ایک طرف مجلس عزا ہے دوسری
طرف نماز کا وقت ہے مگر ماتم جاری ہے اور نماز عنقا۔

۴۔ اور خدا کو درباب جہاد فی سبیل اللہ اپنے اموال اور جانوں،
اور زبانوں سے یاد کرو۔ اور جانو کہ راہ خدا میں جہاد نہیں کر سکتا۔
مگر وہ امام کہ پیشوائے راہ ہدایت ہو۔

اقول۔ سب سے پہلے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ
سیدنا حسنؓ نے حق امامت معاویہؓ کے حوالے کر دیا۔ اور سیدنا حسینؓ
نے بھی سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ پھر سیدنا حسینؓ کو منصب
امامت کس نے تفویض کیا۔ اور انہوں نے کس امام کے حکم سے جہاد
کیا۔ امام تو اس وقت یزید تھا۔ چلیئے اسے بھی چھوڑیئے کربلا

کے سانحہ کے بعد پورے ۶۵ علوی جہاد کی نیت سے امویوں اور عباسیوں
کے خلاف میدان میں اترتے رہے ۔ یہ الگ بات ہے کہ ان میں سے بعض
قتل ہوئے ۔ بعض توبہ تائب ہوتے اور خلفائے وقت سے وظائف
لے کر گوشہ نشین ہو گئے ۔ یا گرفتار ہو کر کسی پھوپھی، ماسی اور
بہن کی سفارش سے بچ گئے ۔ جو خلیفہ وقت کے کسی نہ کسی عزیز کے
نکاح میں تھی ۔ مگر یہ بتایئے کہ وہ کس امام کے حکم سے خروج کرتے رہے
یا یہ تمام پینسٹھ خروج کرنے والے امام تھے ۔ اور شیعوں کے آئمہ
ردائے تقیہ لپیٹ کر خاموش بیٹھے رہے ۔

۵ ۔ اور خدا سے درباب اصحاب پیغمبر ڈرو ۔ اور ان کی اطاعت
کرو کہ انہوں نے کوئی بدعت دین خدا میں نہیں کی ۔ اور صاحب بدعت
کو راہ نہیں دی ۔ بدرستیکہ رسول خدا نے اپنے اصحاب کے حق میں تم کو وصیت
فرمائی اور اس پہ لعنت کی جو اصحاب اور غیر اصحاب میں سے بدعت
جاری کرے [1]

اقول ۔ میں شیعہ دوستوں سے ہی پوچھتا ہوں کہ ملاں مجلسی نے
سیدنا علیؓ کی زبان سے جن اصحاب کا ذکر کیا ہے وہ کون تھے اور کتنے
تھے ۔ ان سے مراد سلمانؓ، مقدادؓ، اور ابوذرؓ ہے تو ذرا یہ بتایئے کہ
سیدنا علیؓ کی شہادت کے وقت وہ کہاں تھے ۔ جن کے متعلق یہ وصیت
فرمائی جا رہی ہے اور اگر وہ تھے جو اس وقت سیدنا علیؑ کے ہمراہ تھے
تو ان سے آپ خود نالاں تھے ۔ آخر یہ اصحاب تھے کون ۔ آؤ یہ بات میں

[1] ۔ یہاں میاں پوستی کو ایک طویل الہام ہوا ہے ۔

آپ کو سمجھاؤں اور بتاؤں ۔ بشرطیکہ چند لمحات کے لئے سبائیت کو
ذہن سے جھٹک کر سننے کے لئے تیار ہوں ۔

ومن کتابہ علیہ السلام الی المعاویہ: انہ بایعنی
القوم الذین بایعوا ابابکر وعمر وعثمان علی ما
بایعوهم علیہ فلم یکن للشاهد ان یختار ولا
للغائب ان یرد وانما الشوری للمهاجرین والانصار
فان اجتمعوا علی رجل وسموه اماما کان ذالک لله
رضیً فان خرج من امرهم خارج بطعن او بدعة
ردوه الی ما خرج منه فان ابی قاتلوه علی اتباعه
غیر سبیل المؤمنین (نہج البلاغۃ صفحہ ۱۹۷)

ترجمہ :۔ حضرت علیؓ نے جو امیر معاویہ کو خط لکھا ۔ اس کا
مضمون یہ تھا کہ میری بیعت اس قوم نے قبول کی ہے ۔ جنہوں نے ابوبکرؓ
عمرؓ و عثمانؓ کی بیعت جس امر پہ کی تھی ۔ پس حاضر کے لئے تامل کرنے اور
غائب کے لئے رد کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے ۔ اس بارہ میں مجلس
شوریٰ صرف مہاجرین و انصار کی متحدہ مجلس ہے ۔ ان کا اتفاق جس
شخص پہ ہو کر امام منتخب کیا گیا خدا کو بھی وہی پسند ہے ۔ پھر اگر ان
کے حکم سے کوئی شخص نکل کر خلیفہ کی طعن و تشنیع یا کسی جدید بدعت
پر کمر بند ہوا تو اس کو خلیفہ کی اطاعت کی طرف واپس بلانا چاہیئے ۔
کہ اس نے کافۃ المسلمین سے الگ راستہ کیوں اختیار کر لیا ہے
سیدنا علیؓ کا اصحاب ثلاثہ کے متعلق صرف یہ ایک ہی ارشاد نہیں ۔ بلکہ
آپ نے متعدد مواقع پر خلفائے ثلاثہ کو ہدایت کے چراغ ۔ اپنے ساتھی

مسلمانوں کے راہنما اور نبی کے مخصوص دوست کے لفظوں سے اظہار خیال فرمایا ہے۔

حضرت علیؓ نے بلا توقف حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی

ملاحظہ ہو کافی کتاب الروضہ۔

حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور لوگوں کو بیعت سے نہ روکا۔ تاکہ لوگ مرتد نہ ہو جائیں۔ (صفحہ ۱۳۹)

حالانکہ کافی کا یہ قول غلط ہے۔ بقول بخاری علیؓ نے سیدہ فاطمہؓ کی وفات تک بیعت نہیں کی۔

آیت کا ترجمہ ہے

تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کئے ہیں خدا وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور ملک کا حاکم بنائے گا۔ جیسے کہ ان لوگوں کو حاکم بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے۔ یقیناً ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا۔ جسے ان کیلئے وہ پسند فرما چکا ہے۔ اور ان کے اس خوف و خطر کو وہ امن و امان سے بدل دے گا۔ کہ میری عبادت کرتے رہیں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری اور کفر کریں وہ یقیناً فاسق ہی ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے ایک بار پھر اس ترجمہ کو پڑھیئے۔ اور ذرا روشن دماغ کی ایک چٹکی دماغ میں پہنچا کر سوچیئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیئے۔ ان سے وعدہ کیا گیا ہے کہ ضرور ملک کا حاکم بنائے گا تو اللہ تعالےٰ نے کسے ملک کا حاکم بنایا۔ اگر اللہ کا وعدہ جھوٹا ثابت ہوا اور چند منافقوں نے

اللہ تعالےٰ کے اس وعدے کی نافرمانی کر کے اس کا انکار کیا تو اس اللہ تعالیٰ کے متعلق کیا کہیئے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔ جسے ان کے لئے وہ پسند فرما چکا ہے۔ یہ پسندیدگی ہو چکی تھی اس پر عمل باقی تھا۔ اور نبی اکرمؐ کی وفات کے بعد اللہ تعالےٰ نے وہ وعدہ پورا کر دیا۔ اور تمام دنیا نے دیکھ لیا کہ سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں دنیا کی دو سب سے بڑی سلطنتیں صفحۂ ہستی سے نسیاً منسیا ہو گئیں۔ صدیق اکبرؓ نے ارتداد کا خاتمہ کر دیا۔ عثمان غنیؓ نے افریقہ کے مغربی ساحل سے بحیرۂ ہند کے مغربی ساحل تک امن و آشتی کا وہ نمونہ پیش کر کے دکھایا جس کی مثال دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اب آپ کے زعم کے مطابق زمانہ استخلاف آتا ہے۔ ایک لاکھ فرزندان توحید خاک و خون میں تڑپ جاتے ہیں۔ ایک انچ کی فتوحات نہیں ہوتیں۔ ہر طرف بے امنی خوف، دہشت، اور افراتفری کا عالم ہے۔ اور دنیا اس وقت سکھ کا سانس لیتی ہے۔ جب آپ کی مزعومہ خلافت ختم ہو جاتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدنا علیؓ کو خلافت کا امر تفویض کیا جاتا تو بقول آپ کے تمام مسلمان تو مرتد ہو چکے تھے تو آپ کس ملک پر خلافت کرتے۔ آپ تو ہزاروں بلکہ لاکھوں اپنے شیعوں کی مدد سے امور خلافت کا بار نہ اٹھا سکے۔ تو صرف چار کی ہمراہی سے کیا کرتے۔ خدا کے بندو! عقل سے کام لو۔ اب وہ زمانہ گزر گیا جب آپ لوگوں کی الٹی سیدھی سب چلتی تھی۔ اب ماشاء اللہ! اللہ کے ایسے بندے پیدا ہو چکے ہیں۔ جو آپ کے مفروضہ اور مزعومہ اعمال و کردار، اخلاق و عادات عقائد و نظریات پر گہری نظر رکھتے ہیں سیدنا علیؓ بقول آپ کے ڈر کے ظالموں کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ان کے سامنے قرآن کی تحریف کی گئی۔ اصلی قرآن جلا کر معدوم کیا گیا۔ فدک غصب

ہوا اور اپنی خلافت کے دور میں بھی واپس نہ کر سکے ۔ سیدہ فاطمہ رض کی بے عزتی کی گئی ۔ متعہ حرام کیا گیا ۔ تراویح رائج کی گئی اور آپ اُف تک نہ کر سکے ۔ اور جب خلافت ملی تو اس وقت بھی یہ کہہ کر خاموش ہو گئے ۔ مجھ سے پہلے جو خلفاء تھے انہوں نے کچھ کام ایسے کئے جن میں رسول اللہ کی مخالفت کی ہے ۔ عمداً ان کے خلاف کیا ہے ۔ ان کے عہد کو توڑا ہے ۔ ان کی سنت کو بدلا ہے ۔ اگر میں آمادہ کروں لوگوں کو ان امور کے ترک پر اور ان کو پھر ان کی اصل حالت پر لے جاؤں یعنی جس حالت پر وہ رسول اللہ کے زمانہ میں تھے تو یقیناً میرا لشکر مجھ سے جدا ہو جائے ۔

(ترجمہ کتاب روضہ کافی صفحہ ۲۹)

نور اللہ شوستری نے احقاق الحق میں سیدنا علی رض کی خلافت کا بیڑہ ہی غرق کر گیا ہے ۔

والی هل ان امر الخلافة ما وصل الیه الا بالاسم دون المعنی الخ

خلاصہ یہ کہ خلافت سیدنا علی رض کو برائے نام ملی تھی ۔ نہ درحقیقت اور جناب امیر رض سے ان کے عہد خلافت میں بھی اختلاف اور نزاع کیا جاتا تھا کوئی کہاں تک لکھتا جائے ۔ شیعہ مذہب کی کتب ایک بھان متی کا ٹوکرا اور مداری کا سوانگ ہیں ۔ نہ یہ مانتے ہیں نہ وہ ۔ کبھی یہ کہتے ہیں کبھی وہ اور وہ ایسا کیوں نہ کریں یا کہیں جبکہ اس دین کے ستر پہلو ہیں

نبیؐ کی وصیت علیؓ کو اور علیؓ کی وصیت حسنؓ کو

حضرت علیؓ فرماتے ہیں ۔ میں تم کو وصیت کرتا ہوں ۔ اور تم میرے اچھے وصی میرے لئے ہو ۔ میں تم کو اس طرح وصیت کرتا ہوں جس طرح رسولِ خداؐ نے مجھے وصیت کی ہے ۔

اے فرزند جب میں دنیا سے مفارقت کروں اور میرے اصحاب تم سے موافق نہ رہیں ۔ اس وقت خانہ نشین رہنا اور گناہوں پر رونا ۔ اور دنیا کو مقصود و بزرگ قرار نہ دینا ۔ (ج ۱ صفحہ ۲۷۲)

تبصرہ

نبی نے علیؓ کو خانہ نشینی کی وصیت کی تو وہ اپنی بیوی کو خچر پر سوار کر کے دربدر کیوں پھراتے رہے ۔ خلافت کی بھیک مانگتے رہے ۔ مگر اپنے خلیفہ ہونے کا کہیں بھی دعویٰ نہ کیا ۔

"میرے اصحاب موافق نہ رہیں" ۔ کا مطلب واضح ہے ۔ کہ اصحاب رسولؐ تھے اور ضرور تھے ۔ ان کی نافرمانی کا حکم نہیں دیا ۔ بلکہ خانہ نشینی کا حکم دیا ہے ۔

آگے چل کر حسینؓ نے اس کے خلاف کیا تو کیا پایا ۔ ؟

پھر آپ فرماتے ہیں فانی لست بامن ان اخطی (کافی کلینی) تحقیق میں خطا کرنے سے امن میں نہیں ہوں ۔ پھر آپ کے حکم کے علی الرغم آج شیعہ معصوم معصوم کی گیارٹ لگائے جا رہے ہیں ۔ آپ کا ایک اور ارشاد ہے لابد للناس من امیر برا و فاجر

(نہج البلاغہ)

لوگوں کے لئے کسی امیر کا ہونا ضروری ہے۔ چاہیے وہ نیک ہو یا فاجر

سیدنا علیؓ کے ان ارشادات کی موجودگی میں علویوں کے مخصوص چند افراد کے معصوم عن الخطا ہونے کا ڈھنڈورا اور علویوں کا بار بار خروج کرنا کون سی دعوت الی الحق تھی۔ سیدنا علی خود اپنے آپ کو خلیفہ بلا فصل تو در کنار خلیفہ منصوص بھی نہیں سمجھتے تھے۔

ومن کلام له لما ارید قبل البیعة بعد قتل عثمان دعونی والتمسو غیری ان ترکتمونی فانا کاحدکم ولعلی اسمعکم واطوعکم لمن ولیتموه امرکم وانا لکم وزیرا خیر منی لکم امیرا (نہج البلاغہ)

ترجمہ: حضرت علیؓ کے کلام سے ہے کہ جب ارادہ کیا گیا بیعت کا بعد قتل عثمانؓ کے مجھے چھوڑ دو۔ اور میرے سوا کسی دوسرے کو ڈھونڈ لو اگر تم مجھے چھوڑ دو گے تو میں بھی مثل ایک کے تم میں سے ہوں گا۔ اور شاید تم سے زیادہ حکم ماننے والا اور زیادہ اطاعت کرنے والا اس کا ہوں گا جس کو تم اپنا اولی الامر بناؤ گے اور میں تمہارے لئے وزیر بن کر بہتر ہوں اس حالت سے کہ تمہارا امیر بنوں۔ سیدنا علیؓ کے اس ارشاد سے چند امور مستنبط ہوتے ہیں۔

۱۔ آپ خلافت کو منصوص نہیں بلکہ مشورہ مومنین پر موقوف سمجھتے تھے

۲۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں منصوص خلیفہ تھا۔ اور اب میرا حق مجھے مل گیا ہے۔

۳۔ آپ نے فرمایا میرے سوا کسی اور کو امیر منتخب کر لو۔ میں بحیثیت

وزیر کام کروں گا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ خلفائے راشدین کے زمانہ خلافت میں آپ ان کے وزیر تھے۔

۴۔ اگر آپ نے ایسا انزامی طور پر کہا تو امام منصوص کی شان کے یہ امر نقیض ہے کہ وہ نص قطعی کو بالکل پی جائے اور اشارۃً بھی اس کا ذکر نہ کرے۔

علیؓ خلیفہ بن کر فرماتے ہیں۔

مجھ سے پہلے جو خلفاء رہے تھے۔ انہوں نے کچھ کام ایسے کئے جن میں رسول اللہؐ کی مخالفت کی ہے۔ عمداً ان کے خلاف کیا ہے۔ ان کے عہد کو توڑا ہے۔ ان کی سنت کو بدلا ہے۔ اگر میں آمادہ کروں لوگوں کو ان امور کے ترک پر اور ان کو پھر ان کی اصل حالت پر لے جاؤں یعنی جس حالت میں وہ رسول اللہ کے زمانے میں تھے۔ تو یقیناً میرا لشکر مجھ سے جدا ہو جائے۔ اگر میں فدک کو واپس کروں وارثان فاطمہ علیہا السلام کی طرف اور دیدوں وہ جاگیریں جو رسول اللہؐ نے کچھ لوگوں کو دی تھیں اور وہ ان کو نہیں دی گئیں اور نہ وہ احکام نافذ کئے گئے اور ظلم کے جو فیصلے کئے گئے ہیں ان کو رد کر دوں اور کچھ عورتیں جو لوگوں کے پاس ناجائز طور پر ہیں۔ ان کو نکال کر ان کے شوہروں کے حوالے کر دوں اور لوگوں کو حکم قرآن پر عمل کرنے کے لئے آمادہ کروں اور وظائف کے رجسٹروں کو مٹا دوں اور سب کو برابر دیا کروں۔ جس طرح رسول اللہؐ برابر دیتے تھے۔ اور موزوں پر مسح کرنے کو حرام کر دوں تو لوگ مجھ سے جدا ہو جائیں۔ اللہ کی قسم! میں نے لوگوں کو حکم دیا کہ رمضان کے مہینے میں سوا فرض کے اور کسی نماز میں جماعت

نہ کرو اور میں نے ان کو آگاہ کیا کہ نفل کی جماعت کرانا بدعت ہے تو میرے ہی لشکر کے بعضے لوگ جو میرے ساتھ ہو کر لڑتے تھے آپس میں شور کیا کہ اے اہل اسلام دیکھو عمرؓ کی سنت بدلی جاتی ہے۔ یہ شخص ہم کو رمضان کے مہینے میں نفل نمازوں کے پڑھنے سے روکتا ہے۔

(ترجمہ از کتاب روضۂ کافی صفحہ ۲۹

قطع نظر اس بات کے کہ اس روایت میں سیدنا علیؓ کی طرف جو کچھ منسوب کیا گیا ہے درست ہے صرف اس بات کو پیش نظر رکھیے کہ علیؓ خلیفہ بن کر بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بجا نہ لا سکے۔ اور آخر کار شوستری کو اپنی مایہ ناز تالیف احقاق الحق میں کہنا پڑا کہ!

والی هل ان امرا لخلافة ما وهل الیه الا بالاسم دون المعنی یعنی حضرت علیؓ کو منصب خلافت برائے نام ملا تھا نہ درحقیقت۔

مگر جس خدا کو یہ بداء ہو جائے کہ وہ علیؓ کی بجائے نبوت محمدؐ پر نازل کر دے اور پھر اسی علیؓ کی بجائے خلافت اصحاب ثلاثہ کے سپرد کر دے، وہ خدا اگر اسی علیؓ کو حقیقی خلافت کی بجائے برائے نام خلافت دیتا ہے۔ تو اس میں چیخنے چلانے کی کیا ضرورت ہے۔

میں ببانگ دہل اور علے رؤس الاشہاد مذہب شیعہ کی کتب سے اس قسم کے سینکڑوں ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔ کہ منصوص من اللہ اور خلافت بلافصل کا ادعا محض اباطیل وکذب کا پلندہ ہے۔ یہ بالکل مدعی سست اور گواہ چست والی بات ہے۔ نہ سیدنا علیؓ نے کبھی بلافصل خلافت کی نہ سیدنا حسنؓ نے کسی مقام پر اس کا دعوے کیا۔ بلکہ اس کے اُلٹ اپنے تمام حقوق خلافت و امامت

سیدنا امیر معاویہؓ کے حوالے کر دیئے۔ ہاں سیدنا حسینؓ مزید حکومت کے طلب گار تھے۔ مگر اس بھری دنیا میں ان کی اس خواہش پر کسی نے توجہ نہ دی۔ بلکہ مدینہ سے روانگی مکہ میں ورود اور مکہ سے کوفہ کی طرف کوچ کو سب نے ایک بچگانہ حرکت سمجھی۔ اور بار بار آپ کو اس ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی یہاں تک کہ سیدنا عبد اللہ یعنی آپ کے چچا زاد اور بہنوئی نے ناراض ہو کر اپنی بیوی کو طلاق دیدی جو حضرت حسینؓ کا ساتھ دینے سے رُک نہ سکیں۔ اور یہ امر بھی ظاہر و باہر ہے۔ کہ جن لوگوں کی دعوت پر آپ کوفہ پہنچے انہوں نے ہی آپ کو شہید کر دیا۔ جیسا کہ سیدنا علی (زین العابدین)، سیدہ زینب، سیدہ ام کلثوم وغیرہ کے خطبات سے عیاں ہے۔ سیدنا حسینؓ کی شہادت کے بعد "قائم آل محمدؐ" کے علاوہ آٹھ اور مزعومہ آئمہ گزرے۔ مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی کسی وقت امام منصوص کی لم نہ تراشی۔ اور پھر اس نقطۂ نگاہ سے دیکھیے کہ وہ سب کے سب خلفائے وقت سے وظائف لیتے رہے۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کرتے رہے۔ ان کے ساتھ یا ان کے رشتہ داروں کے ساتھ اپنی لڑکیوں اور بہنوں کے نکاح کرتے رہے۔ بعض ان کے مہمان بنتے رہے بلکہ اگر کسی علوی نے خروج کیا تو انہوں نے خلیفۂ وقت کو مطلع کیا۔ سیدنا علیؓ زین العابدین نے سب سے پہلے مدینہ کے چند سر پھرے خروج کرنے والوں کے حالات سے مطلع کیا۔

غرضیکہ ان مزعومہ آئمہ کو ایک لمحہ کے لئے بھی کہیں حکومت نہ ملی۔ یہ اچھی خلافت اور امامت ہے۔ تمام منصوص آئمہ حکام وقت کی وفاداری اور جان نثاری کا دم بھرتے ہیں۔ ان سے مصاہرت کے تعلقات پیدا کرتے ہیں۔ اور کسی مقام پر بھی "نص قطعی" کے متعلق اشارہ تک نہیں کرتے

اور ان کے مرنے کے صدیوں بعد یہ چست گواہ رات دن ان کے غصب ،
خلافت کے غم میں ہلکان ہوئے جا رہے ہیں -
کیا استخلاف کی آیتہ کے متعلق آیا کچھ خیال شریف میں ؟

حضرت علیؓ موت سے ترساں تھے

اُم کلثوم نے کہا جب اس شب میں نے قلق و اضطراب اپنے پدر بزرگوار کا مشاہدہ کیا تو مجھے نیند نہ آئی - میں نے کہا اے پدر بزرگوار آپ کیوں نہیں سوتے جناب امیرؓ نے فرمایا اے دختر میں نے بہت بڑے بڑے شجاعوں سے جنگ کی اور بڑے بڑے امور ہولناک درپیش ہوئے - مگر کچھ ترس و وہم مجھے نہ ہوا - لیکن آج کی رات بہت خائف و ترساں ہوں -

(ج ۱ - صفحہ ۲۷۷)

شاید یہاں آپ کہیں کہ سیدنا علیؓ کا یہ خوف درگاہ رب العزت میں حاضری کی وجہ سے تھا - مگر بات یہ نہیں ایک سطر کے بعد اس کا جواب خود سیدنا علیؓ کی زبان سے سن لیجیے -

موت قریب ہوتی ہے - اور آرزوئیں منقطع ہوتی ہیں - یعنی بقول باقر مجلسی آپ اس لئے غمگین تھے - کہ آپ کی آرزوئیں پوری نہ ہوئی تھیں - شاید ابھی ایک لاکھ اور فرزندان توحید کا خون بہانا مطلوب تھا - اور ابھی وہ لونڈی بھی نہ خرید سکے جس کے لئے رقم جمع کر رکھی تھی -

واہ رے شیعانِ علی ع ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو -

حضرت علیؓ کی شہادت یا ڈرامہ

(از صفحہ ۲۷۹ تا ۲۸۵) اصل کتاب سے پڑھیے

سیدنا علیؓ کی قبر

(۱) جب مجھے تختہ پر رکھنا - تختہ کو آگے سے پکڑنا - تختہ کو عقب سے تھامے رہنا اور جس طرف تمہارے آگے تختہ رواں ہو تم اس کے پیچھے پیچھے جانا - اور جہاں میرا تختہ تابوت ٹھہرے - جاننا وہی میرا مقام قبر ہے - میرے جنازہ پر سات تکبیریں کہنا - میرے جنازہ کو جہاں رکھنا ہو وہاں سے اٹھانا - اور خاک اس جگہ کی خالی کرنا - وہاں قبر کھدی کھدائی اور لحد بنی بنائی پاؤ گے - اور ایک لکڑی کا تختہ وہاں منقش دیکھو گے - پس مجھے اس تختہ پر دفن کرنا اور وہاں سات اینٹیں پاؤ گے ان کو قبر میں چن دینا - تھوڑی دیر بعد ایک اینٹ ہٹا کر قبر میں نظر کرنا - مجھے وہاں نہ دیکھو گے اس لئے کہ میں تمہارے نانا کے پاس چلا جاؤں گا -

(۲) چند سطور بعد ملا باقر لکھتے ہیں - البتہ حق تعالیٰ اس پیغمبر کی روح اور جسد کو اس کے وصی کے روح و جسد سے ملحق کر دیتا ہے - اور بعد اس

کے جدا ہو کر ہر ایک اپنی اپنی قبر میں پھر آتا ہے ۔

(۲) پھر فرماتے ہیں قبر میری خاک سے بھر دینا ۔ اور مقامِ قبر چھپا دینا ۔

(ج ۱ صفحہ ۲۸۵ - ۲۸۶)

اب آگے سنیئے اور جب صبح ہو تو تابوت کو ناقہ پر باندھنا اور مہاراس ناقہ کی کسی شخص کے ہاتھ میں دے دینا کہ مدینہ لے جائے ۔ اس لئے کہ لوگ نہ جانیں کہ کہاں دفن ہوا ہوں (ایضاً)

(۴) بعض کتب معتبرہ میں جناب صادق سے روائیت کی ہے ۔ جناب امیرؓ نے جناب حسنؓ کو فرمایا کہ چار قبریں چار جگہ ایک مسجد کوفہ میں ، دوسری مقام رحبہ میں ، تیسری نجف میں اور خانہ جعدہ بن ہبیرہ میں میرے لئے بنانا ۔ (ایضاً)

(۵) مرنے کے بعد سیدنا علیؓ اپنے شیعوں سے خوفزدہ رہے ۔ یہاں اس امر کو بھی پیش نظر رکھیئے کہ کوفہ اور اس کے مضافات بلکہ تقریباً تمام عراق میں صرف شیعان علیؓ تھے ۔ اونٹ پر تابوت رکھ کر مدینہ بھیج دیا مگر مدینہ پہنچ کر کہاں گیا ۔

اگر تابوت اونٹ پر رکھ کر مدینہ کیطرف روانہ کر دیا تو جابجا قبریں کھودنے اور کھدوانے کا مقصد ۔ ؟

علیؓ نبیؐ کے ساتھ دفن ہوئے ۔

حضرت نوحؑ کی کشتی خانہ کعبہ میں پہنچی اور سات بار طواف کیا ۔ (وہ خانہ کعبہ ملاں صاحب نے بنوایا ہوگا ۔) خدا نے نوح کو وحی کی کہ کشتی سے نیچے اتریئے اور جسد مبارک حضرت آدمؑ کو نکال کر کشتی میں داخل کرو ۔ یہ سن کر حضرت نوح کشتی سے باہر آئے اور پانی ان کے زانو تک تھا ۔ یہاں تک کہ وہ تابوت جس میں جسد مبارک حضرت آدمؑ تھا نکالا ۔ اور کشتی میں لے گئے جب کشتی مسجد کوفہ میں پہنچی (مسجد کوفہ ملاں صاحب نے بنوائی ہوگی) وہاں بھی پہنچ کر ٹھہر گئی ۔ اور حضرت نوحؑ نے بحکم خدا جسد آدم نجف میں دفن کیا (کشتی مسجد کوفہ میں ٹھہری اور آدم کو نجف میں دفن کیا) اور قبر حضرت آدم کے سامنے ایک قبر اپنے لئے بنوائی اور ایک صندوق جناب امیر کے لئے بنوایا (اپنے لئے قبر اور علی کے لئے صندوق) اور اپنے سینے کے سامنے رکھا چند سطور آگے چل کر ملاں صاحب لکھتے ہیں ۔ کفن و حنوط سے فرصت پاکر مجھے تابوت میں رکھنا اس وقت آگے سے تابوت کو ملائیکہ اٹھائیں گے ۔ تم تابوت کو پیچھے سے اٹھانا ۔ جس طرف تابوت جائے تم پیچھے چلنا تمہیں ایک ایک قبر بنی بنائی ملے گی ۔ اس میں دفن کرنا ۔ چند سطور کے بعد لکھتے ہیں جب جناب امیر کو دفن کیا ۔ ایک اینٹ سرہانے سے اٹھا کر نظر کی ۔ کسی کو نہ دیکھا ۔ ناگاہ صدائے ہاتف سنی کہ امیرالمومنین بندہ شائستہ خدا تھے ۔ ان کو پیغمبر سے ملحق کیا ۔ اور اسی طرح خدا اوصیاء کو بعد پیغمبروں کے ان سے ملحق کرتا ہے یہاں تک کہ کوئی پیغمبر مشرق میں وفات پائے اور اس کا وصی مغرب

میں رحلت کرے - البتہ خدا اس کے وصی کو اس پیغمبر کے ساتھ ملحق کرتا ہے

(ج ۱ صفحہ ۲۹۲)

جب ایک دفعہ بیلچہ زمین پر مارا قبر تیار اور لحد بنی بنائی ملی ایک تختی اس قبر میں تھی - جس پر بزبان سریانی لکھا تھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (یہ کونسی سریانی ہے) یہ وہ قبر ہے جو نوح پیغمبر نے علی ابن طالب وصی محمد مصطفٰی کے لئے نوسال (چار ہزار سال کے نو سو سال بن گئے) قبل طوفان بنائی تھی - (دوسری روایت میں دوران طوفان لکھا ہے - دروغ گو را حافظہ نہ باشد) جب میرے پدر بزرگوار کو قبر میں اتارا غائب ہو گئے (نوح کی محنت ضائع ہو گئی) اور میں نے نہ جانا کہ زمین کے اندر چلے گئے ہیں - یا آسمان پر چلے گئے -

(۸) بسند معتبر روایت ہے - کہ ایک روز جناب امیرؑ صحرائے نجف کو تشریف لے گئے دیکھ کر فرمایا کیا نیک منظر ہے اور کیا خوشبودار تیرا قعر ہے - خداوندا میری قبر اسی زمین پر بنانا (شاید پہلے معلوم نہ تھا اور ماکان و مایکون کا علم غائب ہو گیا تھا -)

(۹) دیگر - مجھے پشت کوفہ در برادرم ہود و صالح کے دفن کرو -

(۱۰) دوسری روایت میں فرمایا قبر برادرم ہود میں دفن کرنا -

حضرت امام محمد باقر نے فرمایا اپنے پدر بزرگوارم نوحؑ کی قبر میں دفن ہوئے - (ج ۱ - صفحہ ۲۹۳)

(۱۱) مجھے جانب پشت کوفہ لے جانا جب تمہارے پاؤں زمین میں دھنسنے لگیں وہاں دفن کرنا - کہ وہ مقام اول طور سینا ہے - (واللہ رے جغرافیہ دانی) ایک روایت ہے اندرون قبر حسنین ، محمد بن حنیفہ اور

عبداللہ بن جعفر ناحیہ غری میں دفن کیا (زندوں کو دفن کر کے اس میں علی کو دفن کرنا رافضیوں کا ہی کام ہے -

(۱۲) جب غسل و کفن سے فارغ ہوئے ناگاہ ایک اونٹ دکھائی دیا - جنازہ جناب امیر اس پر رکھا - اور وہ اونٹ روانہ ہو گیا - یہاں تک کہ صحرائے نجف میں پہنچ کر ٹھہر گیا - اور جب منظر نزدیک پائے تشتر قبر کھدی کھدائی پائی (ج ۱ صفحہ ۲۹۵)

(۱۳) بسند دیگر روایت ہے کہ جناب امیر نے وصیت فرمائی کہ جب میں دنیا سے رحلت کر جاؤں ، گھر کے گوشہ راست میں ایک لوح پاؤ گے - اس لوح پر مجھے لٹا دینا - اور جو جامہ وہاں پانا اس میں مجھے کفن کرنا . . . . اس کے بعد طویل عبارت ہے آخر میں لکھا ہے کہ یہاں تک کہ اس قبر پر پہنچے جس کا ذکر حضرت نے کیا تھا -

(ج ۱ صفحہ ۲۹۵ - ۲۹۶)

(۱۴) جب آنحضرت کو ضریح مقدس میں رکھا اور نماز سے فارغ ہوئے دیکھا ایک پردہ سندس قبر پر کھچا ہوا ہے امام حسنؓ نے اس پردہ کو بالائے قبر سے ہٹا کر منظر کی دیکھا جناب رسول خداؐ حضرت آدمؑ حضرت ابراہیمؑ جناب امیر سے باتیں کر رہے ہیں - پھر امام حسینؓ نے پائے مبارک کے پاس سے پردہ اٹھایا تو دیکھا کہ فاطمۃ الزہراؓ اور حواؑ و مریمؑ و آسیہ حضرت کے لئے رو رہی تھیں -

(ج ۱ صفحہ ۲۹۷)

سیدنا علیؓ کی قبر کے متعلق چودہ اقوال ملا مجلسی نے بیان کئے ہیں - ان اقوال سے کچھ اس قسم کا خلاصہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کسی نامعلوم

مقام پر دفن کئے گئے۔ (۲) آپ کا جسد نبی اکرمؐ کے جسد کے ساتھ ملحق کر کے واپس لایا گیا (۳) قبر کا مقام چھپا دیا گیا (۴) کوفہ میں ۵ نجف میں، ۶ رحبہ میں ۷ اور خانہ جعدہ میں ۸ تابوت مدینہ بھیج دیا۔ ۹ حضرت آدم کی قبر کے سامنے نجف میں۔ ۱۰ نبی کے روضہ میں۔ ۱۱ نا معلوم مقام پر ۱۲ ہود اور صالح کی قبر میں۔ ۱۳ طور سینا میں۔ اندرون قبر حسین محمد بن حنیفہؓ اور عبداللہ بن جعفر کی قبر میں ناحیہ غربیین میں ۱۵ صحرائے نجف میں۔ ۱۶۔ ایسی قبر میں جس میں آدمؑ اور ابراہیمؑ نے آ کر ملاقات کی اور فاطمہ و آسیہ وغیرہ رو دیئں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کو کوفہ کے قبرستان عری نامی میں دفن کیا گیا تھا۔

یہ صرف جلاء العیون سے اقتباسات ہیں نہ معلوم باقی کتب روافض میں کس قدر اور بات ہوں گی۔ ان ذہنی مفلسوں اور عقل کے کوروں کو ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں کہ سیدنا علیؓ کہاں دفن کئے گئے انہیں سیدہ فاطمہؓ کی قبر کے متعلق بھی معلوم نہیں اگر کوئی پوچھے حضرت اس قدر دروغ گوئی کا مقصد؟ تو فوراً جواب دیں گے منافقوں کے خطرے کی وجہ سے کہ وہ جناب امیرؓ کے جسد مبارک سے گستاخی نہ کر سکیں۔ تو حضرت اب تو وہ خطرہ نہیں ذرا اب ہی فرما دیجئے۔ کہ صحیح قبر کہاں ہے۔ رہا نجف میں حضرت علی کی قبر کا ہونا۔ ملا مجلسی کے اقوال کی روشنی میں نجف کے متعلق جو روایات ہیں۔ ان کے مقابلہ میں دوسری روایات قوی تر ہیں

ع۔ ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لوئے لالہ۔

حضرت علیؓ کی بجائے شیطان قتل ہوا تھا

سیدنا علیؓ جیسے بزرگ اور سرخیل کبار صحابہ کو ان رافضیوں نے حب اہل بیتؓ کی آڑ میں کیا کچھ کہنے سے گریز نہ کیا۔ ایک طرف آپ کو رب الارباب کہتے ہیں اور دوسری طرف اور ایک نیا شوشہ چھوڑ رہے ہیں۔ کہ شیطان علیؓ کی شکل میں متشکل ہو کر مارا گیا تھا۔ اور خود علی زندہ ہیں۔

(تذکرۃ الآئمہ کتاب شیعہ صفحہ ۹۱ بحوالہ مقاطع الانف صفحہ ۷)

اس لحاظ سے تو نجف میں شیطان دفن ہے۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

سیدنا علیؓ کی قبر

آیئے میں آپ کو اب سیدنا علیؓ کی قبر کے متعلق بتاؤں۔ کہ آپ کہاں دفن ہوئے۔ آپ کو کوفہ کی جامع مسجد کے صحن کے ایک کنارے پر دفن کیا گیا۔ اور اس قبر کے قریب جو دروازہ تھا۔ وہ مدتوں باب علی کے نام سے موسوم رہا۔ شیعان علیؓ نے جب نجف کا کھڑاگ رچایا۔ تو قبر کا تعویذ سطح زمین کے برابر کر کے دروازہ بھی بند کر دیا۔ اب آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ نجف میں کس کی قبر ہے۔ یہ سن کر آپ کو بڑی تکلیف ہوگی مگر یہ کڑوا اور کسیلا نوالہ آپ کو نگلنا ہی پڑے گا۔ اور میں نے چونکہ یہ فریضہ اپنے ذمے لے لیا ہے۔ کہ آپ کو آپ کی غلطیوں

سے آگاہ کرتا رہوں۔ اس لئے یہ بتانا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔
نجف میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ مدفون ہیں۔ جن کا آپ نام سننا
بھی گوارہ نہیں کریں گے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے
(البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۳۲۹)

رافضی

بسند معتبر زائدہ بن قدام سے روائیت ہے۔ کہ میں
ایک روز خدمت امام زین العابدین میں گیا۔ امام نے فرمایا! اے
زائدہ میں نے سنا ہے کہ تم زیارت قبر امام حسینؓ کو جاتے ہو حالانکہ تم
کو خلیفہ سے (ایک کافر اور فاسق کو امام ناطق خلیفہ کیوں کہہ رہے
ہیں۔) قرب و منزلت حاصل ہے اور وہ رافضی نہیں کہ کوئی ہمیں دوست
رکھے اور دوسروں پر فضیلت دے (ج ا صفحہ ۲۸۷)

ا۔ یہاں بھی پوستی صاحب کو الہام ہوا ہے کہ مخالف ہمیں طعن و
تشنیع کے طور پر رافضی کہتے ہیں۔ حضرت جی! مخالفین کو یہ
کہنے کی جرأت ہ؟ یہ لقب تو آپ کو اپنے امام چہارم کا عطا کردہ
ہے اب میں نہایت خلوص سے آپ کو اسی لفظ سے مخاطب کروں
گا۔ فرمائیے کیا خیال ہے۔ اور آئیے آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ
آپ کو سب سے پہلے یہ خطاب کس نے عطا کیا۔
زید بن علی (زین العابدین) بن حسینؓ کو جب شیعوں نے
گھیر کر خروج پہ آمادہ کیا اور وہ بیچارہ (باقی صفحہ ۱۱۳ پر)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۲ سے آگے

ان کے سبز باغ دکھانے پر ان کے چکمے میں آکر خروج کر بیٹھا
تو سب اس کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے تو اس نے بھاگتوں
کو کہا اَرفضتمُونِی کیا تم نے مجھے چھوڑ دیا انہوں نے جواب
دیا رفضناک ہم نے تجھے چھوڑ دیا۔ اور آخر زید مارا
گیا (مجالس المومنین) اس دن سے شیعوں کا دوسرا نام
رافضی مشہور ہوا۔
کہئے پوستی جی آیا کچھ خیال شریف میں۔ پہلے اپنے مذہب
کی کتابیں پڑھیئے اور پھر دوسروں کو خبیث، جاہل، شریر
اور ان پڑھ کے خطابات بخشئے، جہالت اس کو کہتے ہیں کہ
پوست کی لہریں جو آئے اپنے عقیدتمندوں کے سامنے،
ہانکتے جائیں اور جہاں کوئی گھر کا بھیدی سامنے آئے
تو ہی ہی کے سوا کچھ بن نہ آئے۔

حضرت جعفر (صادق) کے متعلق ایک شعر ہے۔ الم تران الرافضین تفرقو
وکلهم فی جعفر قال منکراً۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ رافضیوں میں کیسا اختلاف ہے۔ وہ سب کے سب جعفر کے بارے میں کوئی نہ کوئی بُری بات کہتے ہیں۔ یہاں اس شعر کے نقل کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ رافضی حضرات سب کے سب اپنے امام ششم کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ بلکہ صرف اس لئے اس کو نقل کیا گیا ہے کہ "یہ محبان اہلبیت اپنے آپ کو خود رافضی کہتے ہیں۔

قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المؤمنین میں یہ تصریح بھی کی ہے کہ قدمائے اثنا عشریہ کا لقب رافضی تھا۔ اور کافی کی ایک روائیت بھی اس کی مؤید ہے۔ کافی کی کتاب الروضہ صفحہ ۱۶ میں ہے۔

فقال ابو عبداللہ الرافضة قال قلت نعم قال لا واللہ ماھم سموکم بل اللہ سماکم!

یعنی بموجب ارشاد امام جعفر صادق رافضی اللہ کا عنایت کردہ نام ہے۔



باہتمام

آج خلافتِ پیغمبری منقطع ہو گئی

حضرت علیؓ کی وفات کے روز سرور کائنات خضرؑ بصورت پیر مرد آئے اور رو کر کہتے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون آج خلافت پیغمبری منقطع ہو گئی۔

اقول۔

"سرور کائنات خضرؑ" کا مفہوم غالباً میری طرح خود رافضیوں کو بھی معلوم نہ ہو سکا ہو۔ کوئی صاحب اگر ملا مجلسی یا میاں پوستی سے دریافت کر کے مجھے بھی اس اصطلاح سے واقف فرمانے کی زحمت گوارہ فرمائیں تو نہایت شکر گزار رہوں گا۔

اور دوسری بات یہ کہ آج خلافت پیغمبری منقطع ہو گئی۔ گویا اس کے بعد سیدنا حسنؓ خلیفہ حق نہ تھے۔ اور علیؓ کی خلافت سے پہلے غاصبین خلافت کے دور کے متعلق علیؓ کی خلافت سے کیا تعلق۔ یا تو سیدنا علیؓ کی طرح کھل کر اعتراف کیجئے کہ اصحاب ثلاثہؓ خلفائے حق تھے تاکہ آپ کو ہر جھوٹ کو چھپانے کے لئے جو نیا جھوٹ گھڑنا پڑتا ہے۔ اس سے نجات مل جائے اور یا کلینی اور ابن بابویہ پر تبرا کیجئے۔ جن کے حوالے سے ملا مجلسی نے یہ روائیت نقل کر کے اصحاب ثلاثہ کو خلفاء حق بیان کیا ہے۔

بوقتِ وفات سیّدنا علیؓ کی اولاد اور جائیداد

ملا مجلسی لکھتا ہے کہ طلاؤ نقرہ کچھ انہوں نے میراث نہیں چھوڑا ۔ مگر سات سو درہم کہ ان کی عطا بخشش سے زیادہ آتے تھے ۔
(اس فقرہ کا مفہوم پوستی صاحب واضح کریں) اور چاہتے تھے کہ اس سے ایک کنیز خریدیں ۔ (ج ۱ ۔ صفحہ ۳۰۲)

ملا صاحب نے یہ لکھتے وقت نہ معلوم اپنے اسلاف کی روایات کو حسبِ معمول در خود اعتنا نہیں سمجھا اور عالم بے خودی میں جو آیا لکھتے چلے گئے ۔

سیّدنا علی کی جائیداد بوقت وفات نقدی کی صورت میں بھی لاکھوں سے زائد اور غیر منقولہ بھی گاؤں کے گاؤں تھے ۔ آگے بڑھنے سے پہلے اس امر کو بھی ذہن میں رکھیے ۔ کہ وفات النبیؐ تک آپ کی مالی حالت نہائیت پتلی رہی ۔ خلفائے راشدین کے پچیس سالہ دور میں آپ پر بے حساب تشدّد اور ظلم ہوتے رہے حتیٰ کہ آپ کی بیٹی بھی چھین لی گئی ۱؎

رہا آپ کا اپنی خلافت کا پونے پانچ سالہ دور ! ہم اسی انداز سے دیکھیں گے ۔ جس انداز سے ہم سیّدنا فاروق اعظمؓ کے دور خلافت کو دیکھتے ہیں ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سیّدنا فاروق اعظم بیمار ہیں علاج میں شہد تجویز ہوتا ہے مگر آپ مشورہ کے بغیر بیت المال سے چند تولے شہد بھی نہیں لیتے ۔ قیصر کی ملکہ آپ کی بیوی کو تحفۃً عطر بھیجتی ہے ۔ مگر آپ اسے یہ کہہ کر بیت المال میں جمع کرا

۱؎ اول فرج غصبت منا

دیتے ہیں کہ لانے والا قاصد سرکاری ہے ۔ آپ کے کپڑے اکثر پیوند لگے ہوتے ہیں ۔ اور لطف یہ کہ شہادت کے وقت چورا سی ہزار کے مقروض ہیں ان حالات میں ہم سیدنا علیؓ کے متعلق یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے یہ دولت خلافت کے زمانہ میں حاصل کی ۔ لازماً یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ تمام دولت آپ کو خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں حاصل ہوئی ۔

وفات کے وقت ازواج و اولاد

۱ ۔ سیّدہ فاطمہ بنت نبی اکرمؐ ۔ آپ سے ام کلثوم، حسن، حسین اور زینب پیدا ہوئے ۔
۲ ۔ خولہ بنت جعفر ۔ علی اکبر کی والدہ تھیں ۔
۳ ۔ لیلیٰ بنت مسعود ۔ عبیداللہ جسے مختار نے شہید کیا ۔ ابوبکرؓ یہ (کربلا میں شہید ہوئے)
۴ ۔ ام بنین بنت حزام ۔ ان سے عباس، عثمان، جعفر، اور عبداللہ پیدا ہوئے ۔ یہ چاروں کربلا میں شہید ہوئے ۔ اصغر ام ولد سے تھے ۔
۵ ۔ اسماء بنت عمیس ان سے یحییٰ اور عون پیدا ہوئے ۔ یہ حضرت صدیقؓ کی بیوہ تھیں محمدؒ قاتل ذوالنورینؓ صدیق اکبرؓ کی وفات کے وقت ۲ ۔ ۳ سال کا تھا اور سیّدنا علی کے ہاں ہی پل کر جوان ہوا تھا ۔

۶ - صہبا - عمر اکبر[1] اور رقیہ ان کے بطن سے پیدا ہوئے۔
۷ - امامہ بنت ابی العاص محمد اوسط پیدا ہوئے۔
۱۰ - ام سعید ثقیفہ سے ام الحسن اور رملہ پیدا ہوئیں۔

ان کے علاوہ دوسری لونڈیوں سے ام ہانی، میمونہ، زینب صغرا رملہ صغرا، ام کلثوم، فاطمہ، امامہ، خدیجہ، ام کرام، ام سلمہ، ام جعفر جمانتہ اور نفیسہ تھیں۔ ایک بیٹی خیات بنت امرار القیس بنو کلاب سے تھی وہ کھیلتی کھیلتی مسجد میں آجاتی تو لوگ پوچھتے تمہارے ماموں کون ہیں۔ وہ کہتی وَہ وَہ یعنی کتے۔ کیونکہ وہ بنو کلاب سے تھیں۔ اس لحاظ سے سیدنا علیؓ کی اولاد کی تعداد وفات کے وقت چودہ لڑکے اور انیس لڑکیاں یعنی تینتیس ہیں۔ جن میں سے چوبیس بیٹے بیٹیاں زندہ تھیں۔ (طبقات ابن سعد)

اولاد کے علاوہ وفات کے وقت چار بیویاں اور انیس کنیزیں بھی زندہ تھیں۔ جن کے لئے اتنی جائیداد اور باغات چھوڑ گئے۔ کہ وہ لوگ اغنیا میں شمار ہوتے تھے۔

جنگ جمل کے بعد ہی بصرہ کے بیت المال کی رقم جو ساڑھے لاکھ تھی۔ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کی اور ہر ایک کے حصے میں پانچ سو کی رقم آئی۔

(طبری جلد ۵ صفحہ ۲۲۳)

کوفہ کے بیت المال پر صفین کا بوجھ پڑا تو حضرت حسنؓ نے پانچ کروڑ کی رقم بعد صلح وصول کی (افلا)

ایک لطیفہ: حادثہ جمل کے بعد آپ نے رئیس بصرہ مسعود نہشلی کی بیٹی لیلےٰ سے نکاح کیا۔ اور پورے سترہ روز لیلےٰ کو لے کر خانہ نشین ہو گئے

---

[1] اصحاب ثلاثہؓ کے نام عمرؓ، عثمانؓ، ابوبکرؓ کا اپنے تین بیٹوں کے نام رکھنا صریحاً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ چاروں واقعی آپس میں یار تھے۔

مشہور باطنی شیعہ داعی ناصر خسرو نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے۔ کہ میں نے بصرہ میں مشہد علی کے نام سے موسوم وہ مکان دیکھا۔ جہاں سیدنا علیؓ نے سترہ روز گزارے تھے۔

ایک طرف دس ہزار صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام کے لاشے پڑے ہیں اور ہزاروں گھروں میں ماتم بپا ہے۔ اور دوسری طرف ہنی مون منایا جا رہا ہے۔ اور ابھی ایک لونڈی خریدنے کا ارادہ فرمائے ہوئے ہیں۔

منجملہ ان کی اس جائیداد کے وقف علی الاولاد ایک ایسی جائیداد تھی۔ جس کی آمدنی ایک ہزار وسق یعنی دس ہزار من کھجوریں سالانہ تھیں جو زراعت کے علاوہ تھی۔ (الملل والنحل)

آپ چالیس ہزار سالانہ زکوٰۃ ادا کرتے تھے۔

(مسند احمد بن حنبل صفحہ ۱۹۵)

مسند احمد بن حنبل اور کتاب الملل والنحل کے حوالہ جات رافضیوں کے نزدیک معتبر نہیں۔ ان کے سامنے حق الیقین اور فروع کافی پیش کرنا چاہتا ہوں۔

سیدنا علیؓ کے والد نے غربت کی وجہ سے (مگر ملا مجلسی کہتا ہے علی کی ولادت پر تین صد اونٹ اور ایک ہزار گوسفند اور گاؤ ذبح کئے) اپنی اولاد نرینہ کو اپنے کنبہ میں تقسیم کر دیا تھا۔ سیدنا علیؓ حضورؐ کی کفالت میں آئے۔ لیکن وفات کے بعد سیدنا علیؓ نے ایک وسیع جائیداد چھوڑی جس میں کئی مواضع تھے، جن میں سے دلال، عفاف، حسنی، مالام ابراہیم نبیت، صافیہ، برقہ، ینبع، وادی القریٰ، بدیلہ، بادبینہ اور عفریق مشہور ہیں۔ (حق الیقین صفحہ ۱۰۵ فروع کافی جلد ۳ صفحہ ۲۷)

ان میں سے دلال، عفاف، حسنٰی، صافیہ، مالام ابراہیم، بیت اور برقہ سات گاؤں سیدہ فاطمہؓ کی ملکیت تھے۔ جو بعد وفات حضرت علیؓ کو منتقل ہوئے۔ (کافی جلد سوم، صفحہ ۲۷) چونکہ نبی علیہ السلام کی طرف سے آپ کو کوئی اراضی نہیں ملی تھی۔ اس لئے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

آپ اپنے خاندان میں سب سے زیادہ دولت مند مشہور تھے۔

(کتاب شہادت تیسرا مقدمہ صفحہ ۵)

اس کے علاوہ بیسیوں غلام تھے۔

آخر یہ جائداد کہاں سے آئی۔ نبی اکرمؐ کی وفات تک تو آپ نہایت مفلس رہے۔ پچیس سال کا طویل زمانہ آپ نے غاصبین خلافتؓ کے ظلم و تشدد میں گزارہ۔ اپنی خلافت کا دور صرف پونے پانچ سال پر محیط ہے اہل سنت میں سے کسی ایک آدمی کا ذہن قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کہ یہ جائیداد آپ نے اس قلیل سے وقت میں بنائی۔ اگر بنائی تو کیسے بنائی اور کہاں سے بنائی۔

ہمیں یہ حقیقت اسی طرح قبول کرنا پڑے گی۔ جس طرح طلوع و غروب سورج کے معمول کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ لازماً حتماً یقیناً یہ سب انہی غاصبین خلافتؓ کے عطیات ہیں۔ جنہوں نے بے دریغ سب سے بڑھ کر آپ کو دیا اور دیتے ہی چلے گئے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ فدک کا مال آیا اور سیدنا فاروق اعظم نے سیدنا علیؓ کو بلایا کہ آکر اپنا ۲۰۰۰ من مگر آپ نے جواب دیا ہمیں اب اس کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنی صوابدید پر جہاں چاہیں تقسیم کر دیں۔ جب کبھی مال غنیمت آیا تو آپ کو اور آپ کی اولاد کو سب سے زیادہ دیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا علیؓ نے اپنے ان

محسنوں اور محبوب دوستوں کے نام پر اپنے بیٹوں کے نام رکھ کر آنے والی نسلوں کو اظہار ممنونیت و تشکر کا انمٹ درس دیا۔

سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کی پیدائش

۱۔ حضرت امام حسنؓ نصف ماہ رمضان شب سہ شنبہ سال سوم ہجرت میں پیدا ہوئے۔ اور بعضوں نے سال دوم لکھا ہے۔

(ج ۱ صفحہ ۳۰۶)

۲۔ بعد ایک سال کے امام حسینؓ پیدا ہوتے آپ دامن میں لے کر رونے لگے۔ اسماء نے کہا یا حضرت آپ پر سے میرے باپ قربان ہوں آپ کیوں روتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا اے اسماء۔ باغی اور ظالم بعد میرے اس فرزند کو شہید کریں گے۔

(صفحہ ۳۰۷ ج ۱۰)

۳۔ امام رضا سے روایت ہے کہ امام حسنؓ اور امام حسینؓ میں بقدر مدت حمل فاصلہ تھا۔ (صفحہ ۳۰۸ ج ۱۰)

۴۔ عیون المعجزات میں روایت ہے کہ حسینؓ ران چپ فاطمہؓ سے پیدا ہوئے اور عیسیٰؑ ران راست مریم سے پیدا ہوئے۔ صفحہ ۳۰۹ ج ۱۰

۵۔ امام حسینؓ کے متولد ہونے پر جبرئیل نے کہا دو گیسو بائیں طرف سر پر رکھو۔ اور سوراخ داہنے کان کی لو میں کیا۔ اور بائیں کان میں اوپر کی طرف سوراخ کیا۔ (ایضاً)

۶ - دوسری روایت میں ہے۔ کہ دو گیسو درمیان سر رہے۔

۷ - فاصلہ میں حسنؓ اور حسینؓ بقدر مدت حمل تھا۔

۸ - مدت ایام حمل حسینؓ چھ ماہ تھی۔

9 - جب دس مہینے تمام ہوئے میں نے خواب میں دیکھا ..... اور اپنا خواب نبی علیہ السلام کے سامنے بیان کیا ..... جب ایک سال ہوا تو حسینؓ متولد ہوئے (ص ۵۹-۶۰ ج ۲)

10 - سیدہ کہتی ہیں ایک دن پدر بزرگوار مجھے دیکھنے آئے۔ دیکھا کہ حسنؓ دودھ پی رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا دودھ چھڑا دو۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا۔ پھر فرمایا کہ اگر علیؓ تمہارے پاس آئیں تو منع نہ کرنا۔

(ص ۵۹ ج۔ ۲)

حسینؓ کی پیدائش کے متعلق دس مختلف اقوال ہیں۔ مدت حمل حسین ۱۰ ماہ چھ ماہ اور ایک سال دونوں کی پیدائش کے درمیان وقفہ ۹ ماہ تھا یا ایک سال۔

اور نبی کا بیٹی کو کہنا اپنے خاوند کو اپنے پاس آنے سے نہ روکنا۔ ناطقہ سر بگریباں ہے۔ اسے کیا کہیے۔

مجلسی صاحب اس تضاد بیانی سے رافضیوں کے سامنے اپنے آئمہ کی کونسی فضیلت ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ اگر دور حاضرہ کا کوئی فاتح، مبلغ اعظم، مجتہد العصر والزمان یا کوئی پوستی اس راز سے پردہ اٹھا کر مجھے بھی مستفیض فرمانے کی زحمت گوارہ فرمائے تو بہت شکر گزار ہوں گا۔

استدراک

میں باقر مجلسی کی اس معجزانہ کلام کو سمجھنے کی اپنے آپ میں اہلیت نہیں پاتا۔ صاحب ذوق حضرات اپنے اپنے حوصلہ کے مطابق خود ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ البتہ حضرت حسینؓ کی ولادت کی تاریخوں کے متعلق وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔

حسینؓ کی پیدائش سے نبیؐ علیؓ اور فاطمہؓ سب ناراض تھے

• جبرائیل قبل ولادت حسین نبیؐ کی خدمت میں آئے اور کہا آپ کے ہاں ایک فرزند متولد ہوگا کہ آپ کی امت اسے شہید کرے گی۔ حضرتؐ نے فرمایا مجھے ایسے فرزند کی حاجت نہیں۔ جب تین مرتبہ یہی خطاب ہوا تو آپ نے فرمایا جناب امیر کو بلاؤ۔ اور کہا جبرائیل نے خبر دی ہے۔ جناب امیر نے کہا مجھے ایسے فرزند کی حاجت نہیں۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ یہ کلام ہوا۔ پھر جناب فاطمہؓ کو کہلا بھیجا .... جناب فاطمہ نے عرض کی مجھے ایسے فرزند کی حاجت نہیں یہاں تک کہ تین مرتبہ یہ خطاب واقع ہوا۔ بعد ازاں حضرتؐ نے فرمایا یہ فرزند اور اس کی اولاد پیشوایان دین اور میرے وارث اور میرے علم کے خازن ہوں گے۔ (جنہوں نے بار بار خروج کئے۔ کعبہ کو لوٹا۔ مسجد نبوی میں نمازیں تک ختم ہو گئیں

جو خوبصورت عورت ملی اٹھالی ۔ جو لڑکا خوبصورت دیکھا جبراً گھر اٹھا کر لے گئے) جب یہ سنا فاطمہ رضؓ نے کہا میں اپنے رب سے راضی ہوں ۔ بعد اس کے حاملہ بحمل حسینؓ ہوئیں اور بعد چھ مہینے کے حسینؓ پیدا ہوئے

(ج ۔ ۲ ۔ صـ ۵۱)

● جناب رسول خداؐ جناب فاطمہؓ کے پاس گئے اور ان کو تہنیت و تعزیت دی ۔ جناب فاطمہؓ رونے لگیں اور کہا کاش مجھ سے حسینؓ پیدا نہ ہوتا ۔

(صـ ۵۵ ج ۔ ۲)

● جناب رسول خداؐ نے جناب فاطمہؓ کو خبر ولادت امام حسینؓ اور شہادت دی ۔ جناب فاطمہؓ بکراہت حاملہ ہوئیں ۔ حضرت نے فرمایا ہرگز تو نے کسی کو دیکھا ہے ۔ کہ اسے ولادت فرزند کی بشارت دیں ۔ اور وہ بکراہت حاملہ ہو ۔ ۔ ۔ اور وقت وضع حمل بھی بسبب اسی کے کراہت کرے ۔ اور درمیان امام حسنؓ اور حسینؓ کے فاصلہ بمقدار ایک طہر کے تھا ۔ (صفحہ ۵۴ ج ۔ ۲)

● وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ (القرآن) یعنی ہم نے انسان کو والدین کی نسبت وصیت کی شکم مادر میں بکراہت رکھا ۔ اور وضع حمل بکراہت کیا ۔ حضرت نے فرمایا مراد اس سے حسنینؓ ہیں ۔ اور وہ جس کا حمل اور وضع حمل از روئے کراہت تھا ۔ امام حسینؓ ہیں ۔

● اصول کافی میں امام جعفر (صادق) سے روایت ہے ۔

حملته امه كرها ووضعته كرها

کی آیت میں اسی کراہت فاطمہ کی خبر دی گئی ہے ۔

میں اس بے ہودہ داستان گوئی پر سوائے اس کے کیا کہہ سکتا ہوں

کہ الاٰہ العالمین ! ایسے محبان اہلبیت سے اپنے نبی کی امت کو بچائے رکھنا پہلے تو سیدنا علیؓ اور سیدہ فاطمہ پر برسے ۔ اور حضرت سیدہ کی زبان سے سیدنا علی کے بارے میں جو بُرے سے بُرا لفظ استعمال کرا سکتے تھے کرایا ۔ پھر سیدنا علی کو جس قدر لاپرواہ وعدہ کا جھوٹا اور بیوی پر ظلم و تشدد کرنے والا ، مالِ غنیمت میں خیانت کرنے والا کہہ سکتے تھے کہا ۔ اب ان کے ہاں اولاد پیدا ہونے کا وقت آیا تو ایک طرف یہ لم ترانی کہ حسینؓ کی شہادت کی سب کو خبر دی ۔ دوسری طرف باپ سے بیٹی کو کہلوایا کہ گودی کے لڑکے کو دودھ چھڑا دو اور اپنے خاوند کو اپنے پاس آنے سے نہ روکو ۔ پھر لڑکا پیدا ہوا تو ان محبان اہلبیت کو یہ بھی پتہ نہیں چھ مہینے کے بعد پیدا ہوا ہے یا دس مہینے کے بعد یا ایک سال کے بعد ۔ ایک طرف علم ما کان و ما یکون کی لم ترانی جاتی ہے ۔ دوسری طرف حسینؓ کی پیدائش پر عقیقے کئے جاتے ہیں ۔ اور جب جبرائیل آکر شہادتؓ کی خبر دیتے ہیں تو نبی علیؓ اور فاطمہؓ تینوں اس بیٹے کی ولادت سے اظہار نفرت و کراہت کرتے ہیں ۔ بلکہ اس کراہت پر قرآن کو بھی درمیان میں گھسیٹ لاتے ہیں ۔ چھ مہینے کے حمل کے مولود کے سر پر گیسو اگانا بھی مجلسی کا ہی کام ہے ۔ آخر اس بے ہودہ گوئی ، ہرزہ سرائی سے مطلب ! اس داستان گوئی سے یہ داستان گو اماموںؓ کا کون سا شرف بیان کرنا چاہتا ہے ۔

سیدنا علیؓ کی سیرت پر شیعیت کی عینک سے ایک اجمالی نظر

آپ ایک غیر ذمہ دار اور لاابالیانہ قسم کے وارفتہ مزاج انسان تھے۔ نبی کی بیٹی کو آپ کے گھر میں ایک دن سکھ کا سانس لینا نصیب نہ ہوا۔ نامعلوم اور کتنی لونڈیاں یا منکوحہ عورتیں ان کی موجودگی میں گھر لے آئے مگر مجبوری نے ہاتھ تھام رکھا۔ نبی بھی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اور بیوی بھی کسدھار گئیں تو پون درجن بھر عورتوں سے نکاح کئے۔ دو درجن بھر لونڈیاں گھر میں لاڈالیں۔ دولت کی فراوانی تھی اور قربت نبی کی وجہ سے عزت و شرف کا مقام مسلم تھا۔ کوئی ٹوکنے اور پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا تھا۔ اگر خلافت کے چکر میں نہ پڑتے تو عیش ہی عیش تھی۔

یہاں ایک نقطہ پیش کئے بغیر آگے نہیں بڑھا جاتا۔ آج حسینؓ کی اولاد فاطمی کیوں کہلاتی ہے۔ علوی کہلاتا کوئی نہیں سنا جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت حسنینؓ اپنے والد کا سلوک اپنی ماں سے دیکھ چکے تھے۔ اور بچپن کی اس یاد کو وہ آخر دم تک ذہن سے فراموش نہ کر سکے۔ اور لطف یہ ہے کہ سیدنا علیؓ کی وہ اولاد جو دوسری بیویوں یا لونڈیوں سے تھی۔ انہوں نے بھی فاطمیت کی آڑلی۔ آج بھری دنیا میں کہیں کوئی علی کی نسبت سے منسوب بمشکل ہی ملے گا۔ ورنہ ہر طرف فاطمی ہی فاطمی نظر آئیں گے۔ اس سے یہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے۔ کہ علی کی اولاد کہلوانے میں کسی نے کوئی عزو شرف، محسوس نہیں کیا۔ یہ عزو شرف صرف فاطمہؓ بنت محمدؐ کے تعلق کی وجہ سے ذہنوں میں رچا بسا ہوا نظر آتا ہے۔ تو وہ مقام ولایت و وصایت

وہ رب السمٰوات والارض کا اعادہ وہ آدم کا خمیر گوندھنا نبی کی قبر میں دفن ہونا اور نوح کا قبر کھودنا وہ لافتےٰ الا علی وہ شبیر یزداں وہ
٤۔ تب تو اونچا ہے نبوّت سے امامت کا وقار
اور ہم اوّل و ہم آخر و ہم ظاہر و باطن ... علی کہاں تشریف لے گئے۔ ناً فہم فتدبر۔

وراثت

جناب فاطمہؓ مرض حضرت رسولؐ میں حسنینؓ کو آنحضرتؐ کے پاس لائیں اور کہا یارسول اللہ یہ آپ کے فرزند ہیں کچھ ان کو میراث میں دیدیجئے۔ آنحضرت نے فرمایا حسین کو میں نے اپنی بزرگواری اور ہیبت دی اور حسین کو جرأت اور بخشش (اور ان کے شیعوں کو فدک کا دودھ)

(صفحہ ۳۱۰ ج-۱)

نبی کی غفلت

جناب رسولِ خدا نے فرمایا اے علیؓ مجھے ان دو فرزندوں یعنی حسنینؓ نے غافل کر دیا ہے۔

(صفحہ ۳۱۱ ج-۱)

سیدنا حسنؓ کے متعلق نبی اکرمؐ کے ارشادات

آنحضرتؐ نے امام حسنؓ کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور فرمایا یہ میرا فرزند اس امت کا بزرگوار ہے۔ اور شایدؔ خدا برکت حسن اس امت کے دو گروہوں میں اصلاح کرائے۔ (صفحہ ۳۱۷ ج ۱۔)

مجلسی نے اس روائت میں شاید کا لفظ لکھ کر اپنے خبث باطن کا ثبوت دیا ہے۔ یہ روائت بلا اختلاف فریقین متعدد کتب میں مذکور ہے چنانچہ رافضیوں کی مایہ ناز کتاب ناسخ التواریخ میں ہے۔ انّ نبی ھذا سید وانشاء اللہ تعالےٰ یصلح بین الفئتین العظیمتین من المسلمین (صفحہ ۵۵) بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اور انشاءاللہ یہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔

روافض کے باطل نظریات کے بخیے ادھیڑنے کے لئے یہی ایک روائت کافی ہے۔ جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کے ساتھی سب کے سب مسلمان تھے۔ پھر ان دو ٹکے کے رافضیوں کی یہ بکواس کہ معاویہؓ اور اس کے لشکری منافق اور کافر تھے۔ صریحاً اس کلام کے مصداق ہیں۔ فان کان کما قال فان الرجعت

ایک روز امام حسنؓ نے منبر پر فرمایا۔ خدا کے دو شہر ہیں ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں۔ ان دو شہروں میں ایک قلعہ آہن ہے اور ہر شہر میں ہزار دروازے ہیں۔ اور ہر دروازے سے ستر ہزار آدمی داخل

ہوتے ہیں۔ اور ہر شہر میں ہزار زبانیں کہ ہر گروہ ایک دوسرے مختلف زبان میں بات کرتا ہے۔ اور میں ان کی سب زبانیں جانتا ہوں اور ان دونوں شہروں اور وہاں کے ساکنوں پر بغیر میرے اور برادر حسینؓ کے کوئی دوسرا حجت اور امام نہیں (صفحہ ۳۲۶ ج ۱۔)

(افسوس کہ آپ نے اپنی تمام حجت اور امامت معاویہؓ کے حوالے کر دی اور حسین کے لئے بھی کچھ نہ چھوڑا۔)

ایک روز نبی علیہ السلام حسنؓ کی طرف بغور دیکھتے تھے۔ پھر فرمایا۔ یہ فرزند میرے بعد ہدائت کنندہ اور ہدائت یافتہ ہوگا۔ اور یہ فرزند خدا کی جانب سے میرے رو برو سے ہے۔ میری جانب سے لوگوں کو خبر دیگا اور میرے آثار پسندیدہ انہیں پہنچائے گا۔ میری سنت کو زندہ کرے گا میرے کاموں کا متولی ہوگا۔ اور نظر لطف خدا اس کی طرف ہوگی۔ (صفحہ ۳۲۹ ج ۱۔)

حضرت حسنؓ کی سخاوت

ایک شخص نے سوال کیا آپ نے حکم دیا پانچ ہزار درہم اور پچاس دینار اسے دے دیئے جائیں۔ (صفحہ ۳۲۸ ج ۱۔)

ایک ضعیفہ کو ہزار گوسفند ہزار طلاء دینار دیئے۔ اور اس قدر حسینؓ اور اس قدر عبداللہ بن جعفر نے دیئے۔ (صفحہ ۳۲۸ ۳۲۹ ج ۱)

ایک شخص کو چار سو درہم دینے کا حکم دیا مگر درہم کی بجائے دینار

لکھا گیا۔ پس چار ہزار درہم اضافہ کرکے دیدیئے۔ (صفحہ ۳۲۹ ج ۱)

روایت ہے کہ ایک زوجہ کے لئے سو کنیزیں اور ہر کنیز کے ہمراہ ایک ہزار درہم بھیجے۔ (صفحہ ۳۲۹ ج ۱)

دو عورتوں کو طلاق دی اور ہر ایک کو دس ہزار درہم اور بہت اجناس عطا فرمائے۔ (صفحہ ۳۲۹ ج ۱)

ایک شخص کو دعا مانگتے دیکھا جو کہ کہہ رہا تھا کہ خداوندا دس ہزار درہم مجھے روزی کر آپ نے اسے دس ہزار درہم دیدیئے (صفحہ ۳۳۱ ج ۱)

ایک اور شخص کو پانچہزار درہم دیدیئے (صفحہ ۳۳۱)

یہ ایک ایسے شخص کی سخاوت کا منظر پیش کیا جا رہا ہے جو نہ تاجر نہ تھا اور نہ کسی ملک کا حکمران اور وراثت میں بھی اسے کچھ نہ ملا تھا۔ تو یہ مال کہاں سے جمع ہوا۔

حضرات! یہ سب ٹھاٹھ معاویہؓ کے عطیات کے رہین منت تھے

آگے دیکھئے! حسینؓ نے عبداللہ بن جعفر کی بیٹی کے نکاح پر جو اس کے چچازاد بھائی قاسم بن محمد سے ہوا پانچسو درہم نقد اور مدینہ کی مزروعہ اراضی جہیز میں دی۔ (صفحہ ۷۲ ج ۲)

(یہ دولت کہاں سے آتی تھی۔)

معاویہؓ اور حسنؓ

امام حسنؓ ایک دفعہ معاویہؓ کے پاس شام میں گئے۔ اتفاقاً اس روز کسی موضع سے بہت سا مال آیا تھا۔ وہ فہرست معاویہؓ نے حسنؓ کو دیدی۔ حسنؓ نے وہ تمام مال کفش برادر کو دیدیا۔ (صفحہ ۳۲۹ ج ۱)

معاویہؓ مدینہ میں آکر مجلس عام میں بیٹھے اشراف مدینہ کو بلایا۔ ہر ایک کو پانچہزار سے لیکر اس کی لیاقت کے مطابق سو ہزار درہم تک دیئے امام حسنؓ سب سے آخر میں پہنچے معاویہؓ نے جس قدر سب کو دیا تھا اس سب کے برابر حسنؓ کو دیا۔ (صفحہ ۳۲۹)

آگے چل کر مجلسی لکھتا ہے وہ سب حضرت امام نے واپس کر دیا۔ لعنت اللہ علی الکاذبین۔ یہی واقعہ طبرسی میں بھی موجود ہے۔

ایک روز امام حسنؓ نے امام حسینؓ اور عبداللہ بن جعفر سے فرمایا۔ معاویہ کی طرف سے تمہیں پہلی تاریخ خرچ پہنچے گا۔ آپ کے فرمانے کے موجب مال پہنچا۔ آپ بہت قرضدار تھے۔ آپ نے قرض ادا کیا باقی اپنے شیعوں میں تقسیم کر دیا۔ امام حسینؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔ عبداللہ بن جعفر نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور جو باقی بچا وہ بطور انعام معاویہؓ کے ملازم کو دے دیا۔ اس نے عبداللہ بن جعفر کے لئے اور مال بھیجا۔ (صفحہ ۳۳۴ ج ۱)

مختار ثقفی بطمع حکومت حسنؓ کو پکڑ کر امیر معاویہؓ کے حوالے کر دینا چاہتا تھا (جلاء العیون) امیر معاویہؓ نے کیوں اس بات کو قبول نہ کیا۔

صلح کے بعد امیر معاویہؓ نے حضرت حسنؓ کو باطمینان مستقل قیام کی مدینہ

میں اجازت دیدی۔ (طبرسی فارسی)

صلح کے وقت امام حسنؓ کے بیت المال کوفہ، بصرہ، عراق کے علاقہ میں جس قدر مال تھا۔ حضرت حسنؓ کو دیدیا (طبرسی فارسی)

صلح کے وقت حضرت حسنؓ کا تمام قرضہ امیر معاویہؓ نے خود ادا کیا۔ (طبرسی فارسی)

داراب گرد کا ایک لاکھ درہم سالانہ امام حسنؓ کو دینا منظور کیا۔ (طبرسی فارسی)

ایک دفعہ سالانہ وظیفہ پہنچنے میں دیر ہوئی۔ امیر معاویہؓ نے ایک لاکھ کی بجائے پانچ لاکھ درہم بھیجے۔ (طبرسی فارسی)

حضرت حسنؓ کی بیعت

حضرت علیؓ نے آخری وقت فرمایا اس سے بیعت کرو۔ جلد جلد لوگ بیعت کرنے لگے۔ امام حسنؓ نے ان سے شرط کی میں جس سے صلح کروں تم بھی صلح کرو۔ اور جس سے جنگ کروں تم بھی جنگ کرو۔ لوگوں نے قبول کیا یہ واقعہ ۲۱ رمضان سنہ ۴۰ ہجری کا ہے۔ (صفحہ ۲۴۳ ج ۱)

حسنؓ کے شیعہ

حمد و ثنائے الٰہی فرما کر معاویہؓ سے جہاد کا حکم دیا۔ حضرت کے کسی اصحاب[1] نے جواب نہ دیا۔ اس کے بعد عدیؓ بن حاتم منبر کے نیچے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور کہا سبحان اللہ تم لوگ کیا فرقہ ناہنجار ہو تم کو فرزند رسولؐ خدا جہاد کا حکم فرماتے ہیں۔ اور تم قبول نہیں کرتے۔ کیا ہوئے تمہارے شجاع (رافضیوں کے ابا کہاں کے شجاع تھے) تم لوگ غضب خدا سے نہیں ڈرتے تم اور ننگ و عار سے پرواہ نہیں کرتے یہ سن کر ایک گروہ نے اٹھ کر عدیؓ بن حاتم کا ساتھ دیا امام حسنؓ نے فرمایا اگر سچ کہتے ہو (امام کو ان کی بات سچ معلوم نہ ہوئی) تو جانب نخیلہ جہاں میرا لشکر ہے جاؤ اور مجھے معلوم ہے اپنے قول پر وفا نہ کروگے جس طرح اس سے وفا نہ کی جو مجھ سے بہتر تھا۔ (حسن کی یہ زنانٹے دار چپت شیعان علیؓ کو مبارک ہو) اور میں تمہارے کہنے پر کیونکر اعتماد کروں۔ حالانکہ میں نے دیکھا جو تم نے میرے پدر کے ہمراہ سلوک کیا (زندہ باد شیعان علیؓ) یہ فرما کر منبر سے نیچے تشریف لائے۔ اور سوار ہو کر متوجہ لشکرگاہ ہوئے جب وہاں پہنچے جن لوگوں نے اظہار اطاعت کیا تھا۔ اکثر نے اپنے قول پر وفا نہ کی اور حاضر نہ ہوئے۔ پس وہاں امام حسنؓ نے خطبہ دیا۔ اور فرمایا۔ مجھے فریب دیا جس طرح تم نے مجھ سے بہتر کو فریب دیا۔ اور نہیں معلوم میرے بعد تم لوگ کس امام سے مقاتلہ کروگے۔ (آپ علم ما کان و ما یکون کے حامل تھے

---

[1] یہاں لفظ اصحاب پر توپستی جی کو پھر شیطان نے (باقی صفحہ ۱۴۳ پر)

حفظ خون ہائے امت آپ دستبردار ہو گئے۔

(صفحہ ۲۴۸ ج ۱-)

شرائطِ صُلح

یہ عہد نامہ صفحہ ۲۴۷ ج ۱- پر مرقوم ہے۔ اس میں اس بات کا کہیں ذکر نہیں کہ معاویہؓ اپنے بعد حسینؓ کو سربراہ مملکت بنائیں۔ صرف اہم شق اس عہد نامہ کی یہ ہے کہ معاویہؓ پچاس ہزار درہم سالانہ امام حسنؓ کو پہنچائیں۔

جب امام حسنؓ عازم صلح ہوئے۔ اور بلاقات کی تو اٹھے اور خطبہ پڑھا۔ جو ملا مجلسی نے چھ صفحات پر پھیلایا ہے۔ یہ خطبہ ملا مجلسی کی زبان سے کچھ اس قسم کا ہے۔ کہ میری ماں ایسی تھی میرا باپ ایسا تھا۔ میرے چچا ایسے تھے اور میں ایسا ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔

حالانکہ کوئی اس کو دن۔ سچ پوچھے ایسے موقع پر اس قسم کے فخر ومباہات کی کیا ضرورت تھی۔ اور نہ ہی ذوقِ سلیم اس بات کو گوارہ کر سکتا ہے۔ کہ سیدنا حسنؓ نے ایسا کہا ہوگا۔

اگر حسنؓ معاویہؓ سے صُلح نہ کرتے تو شیعہ ختم ہو جاتے!

سید مرصیدنی نے امام محمد باقرؒ سے کہا کہ امام حسنؓ کیونکر امام ہیں (بات پتے کی ہے) حالانکہ انہوں نے خلافت معاویہؓ کو دیدی۔ امام محمد باقرؒ نے کہا، چپ رہ۔ امام حسنؓ نے جو کیا اس سے خوب واقف تھے۔ اگر ایسا نہ کرتے تو سب شیعہ پسپا اور ..... ہو جاتے اور امر عظیم حادثہ ہوتا۔

(صفحہ ۲۵۴ ج ۱-)

اگر میں معاویہؓ سے صلح نہ کرتا تو میرا ایک شیعہ باقی زمین پر نہ رہتا مگر یہ کہ مارا جاتا۔ (صفحہ ۲۵۴ ج ۱-)

اقول: امام حسنؓ علم ماکان و مایکون کی بنا پر جانتے تھے۔ کہ شیعہ ہی حسینؓ کو شہید کریں گے۔ پھر انہوں نے معاویہ سے صلح کر کے انہیں کیوں بچایا۔ گویا بالواسطہ قاتل حسینؓ خود حسنؓ ہیں۔ قسم بخدا اس جماعت سے معاویہ میرے لئے بہتر ہے۔ (شیعو! شرم کرو) یہ لوگ دعوے کرتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں اور میرا ارادہ قتل کیا۔ میرا مال لوٹ لیا۔ قسم بخدا اگر معاویہؓ سے میں عہد لوں اور اپنا خون حفظ کر دوں (گویا شیعوں کے خوف سے حسنؓ نے معاویہ سے صلح کر کے اپنی جان بچائی) اور اپنے اہل وعیال میں سے بے خوف ہو جاؤں۔ اس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کریں۔ اور میرے اہل وعیال اور عزیز واقارب ضائع ہو جائیں (آپ کو یقین ہو

چکا تھا کہ اگر معاویہؓ کی پناہ نہ لی تو یہ شیعہ مجھے قتل کر دیں گے۔) یہی لوگ مجھے پکڑ کر معاویہؓ کو دیدیں (مختار تو تیار ہو چکا تھا) قسم بخدا اگر معاویہؓ سے صلح کروں اور عزیز رہوں۔ اس سے بہتر ہے کہ اس کے ہاتھ آجاؤں اور وہ مجھے بذلت و خواری قتل کرے۔ یا مجھ پر احسان رکھ کر چھوڑ دے (معاویہؓ نہ قتل کرتے نہ احسان رکھ کر چھوڑتے، بلکہ گرفتار کر کے لانے والے شیعوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے اور حسنؓ کی عزت و تکریم سے انہیں رخصت کرتے۔ جیسا کہ ان کے خصائل سے ظاہر ہے) اور تا روز قیامت بنی ہاشم میں عار باقی رہے۔ (صفحہ ۳۵۵ ج ۱-)

شیخ نے بسند معتبر امام محمد باقر سے روایت کی کہ ایک روز امام حسنؓ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے تھے۔ ناگاہ ایک سوار آیا۔ جس کا نام ابوسفیان بن لیلے تھا۔ اس نے کہا اے ذلیل کنندہ مومناں (صفحہ ۳۵۵ ج ۱-)

کلینی نے بسند معتبر امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ امام حسنؓ کا معاویہؓ سے صلح کرنا اس امت کے لئے دنیا و ما فیہا سے بہتر تھا۔ قسم بخدا یہ آیت اسی باب میں نازل ہوئی ہے۔

اَلَم تَرَالی الذین قیل لھم صفحہ ۳۵۵ ج ۱

صلح نامہ گزرنے کے دو سال بعد سلیمان خزاعی نے حضرت کی خدمت میں عرض کی ہمارا تعجب معاویہؓ سے صلح کرنے میں برطرف نہیں ہوتا۔ حالانکہ چالیس ہزار مردان کو نہ جو کہ اہل کارزار آپ کے ہمراہ تھے کہ وہ آپ سے تنخواہ لیتے تھے اور اپنے گھروں میں تھے۔ اور اسی قدر ان کے فرزنداں و یاراں آپ کے ہمراہ تھے۔ بغیر ان لشکروں کے جو بصرہ اور حجاز میں تھے۔ باوجودیکہ اس کے آپ نے معاویہؓ سے پیمان محکم صلح نامہ میں

نہ لیا۔ اور بہرہ کامل عطا میں نہ لکھوایا۔ اگر بروقت مصالحہ اہل مشرق و مغرب کو آپ آگاہ کرتے۔ اور نوشتہ اس سے لیتے کہ بعد اس کے خلافت آپ میں ہوتی تو ہمارا کام بہت آسان ہوتا۔ لیکن اس کے اور آپ کے درمیان ایسے چند عہد ہوئے۔ کہ لوگ اس پر مطلع نہ ہوئے

صـ ۳۵۷
جلد - ۱

اقول

اس اقتباس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ صلح نامہ میں سیدنا حسینؓ کی ولیعہدی یا خلافت کا قطعاً کوئی ذکر نہ تھا۔ اور اس اقتباس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس عہد نامہ کی عبارت سے واقف ہی کوئی نہیں۔ حالانکہ صفحہ ۳۴۹ پر یہی ملا مجلسی تمام عہد نامہ نقل کرتا ہے۔ اور اس میں بھی سیدنا حسینؓ کی ولیعہدی کا کوئی ذکر نہیں۔ پھر آج یہ کہنے والے کہ عہد نامہ میں حسینؓ کی خلافت کا وعدہ تھا کہاں سے نکل آیا۔ لعنت اللہ علی الکاذبین۔

علیؓ اور حسینؓ کو اپنے شیعوں نے شہید کیا اور حسنؓ کو زخمی کیا

محمد باقر کہتے ہیں جب امیرالمومنین (علیؓ) سے بیعت کی پھر ان سے بیعت شکنی کی (شیعہ علی سے نقض بیعت کر چکے تھے۔) اور شمشیر ان پر کھینچی اور امیرالمومنین ہمیشہ ان سے بمقام محاربہ و مجادلہ تھے اور ان سے آزار و مشقت

پائے تھے۔ یہاں تک کہ ان کو شہید کیا اور ان کے فرزند امام حسنؓ سے بیعت کی۔ اور بعد بیعت کرنے کے ان سے مکر و غدر کیا۔ اور چاہا ان کو دشمن کو دیدیں۔ اہل عراق سامنے آئے۔ اور خنجر ان کے پہلو پر لگایا۔ اور خیمہ ان کا لوٹ لیا۔ یہاں تک کہ ان کی کنیز کی کے پاؤں سے خلخال تک اتار لی اور ان کو مضطر و پریشان کیا۔ تاآنکہ انہوں نے معاویہؓ سے صلح کر لی۔ اپنے اور اپنے اہل بیت کے خون کی حفاظت کی۔ اور ان کے اہلبیت بہت کم تھے۔ پس بیس ہزار مرد عراقی نے امام حسینؓ سے بیعت کی اور جنہوں نے بیعت کی خود انہوں نے تلوار امام حسینؓ پر کھینچی اور ہنوز بیعت ان کی گردنوں میں تھی کہ امام حسینؓ کو شہید کیا۔ اور بعد ان کے ہمیشہ ہم اہل بیت پرستم کئے ہم کو ذلیل کیا۔ اور ہمارے حق سے ہم کو دور اور اموال سے محروم کیا۔ ہمارے مارنے میں کوشش کی اور خائف و ترساں رکھا۔

(صفحہ ۳۵۰ ج ۱)

اقول

:- ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

حسنینؓ اور علیؓ نشانہ ستم ہائے شیعان بنے اور آج وہی شیعان علیؓ مگرمچھ کے آنسو بہا کر کوسنے سُنیوں کو دیتے ہیں۔ اور گالیاں صحابہ کرام کو دیتے ہیں۔ اللہ تو انہیں عقل و شعور دے۔

حضرت حسنؓ کی وفات

حضرت امام حسنؓ نے اپنے اہلبیت سے کہا میں مثل رسول خدا زہر سے شہید ہونگا اہل بیت نے کہا۔ کون شہید کرے گا۔

امام حسنؓ نے فرمایا میری زوجہ جعدہ بنت اشعث بن قیس مجھے زہر دے گی اور معاویہ اس کے پاس پوشیدہ زہر بھیجے گا۔ اور حکم دے گا وہ مجھے زہر پلا دے۔ اہل بیت نے کہا۔ تو پھر اسے اپنے گھر سے نکال دیجئے۔ حضرت نے فرمایا کیونکر اسے گھر سے نکالوں حالانکہ ابھی کوئی فعل واقع نہیں ہوا۔ پس بعد موت کے معاویہ نے زہر ہلاہل اور بہت سا مال جعدہ کے پاس بھیجا اور کہا اگر تو یہ زہر امام حسن کو پلا دے گی میں تجھ کو سو درہم دوں گا۔

(صفحہ ۳۶۷ ج ۱)

معاویہؓ نے جعدہ سے دو ہزار درہم اور بہت سے مواضعات صلہ کو فہ سے دینے کا وعدہ کیا۔

(صفحہ ۳۷۱ ج ۱)

آپ کی ازواج

ابن شہر اشوب نے روائیت کی ہے۔ کہ حضرت امام حسنؓ نے دو سو پچاس اور بروائیت دیگر تین سو عورتوں سے نکاح کیا۔ یہاں تک کہ ایک روز منبر پر حضرت علی کو کہنا پڑا کہ حسنؓ سے

اپنی دختروں کو تزویج نہ کرو۔ وہ زیادہ طلاق دینے والا ہے۔ جب امام حسن رضؓ نے انتقال کیا تو جمیع زنان آنحضرت نے جن کو طلاق دیا تھا۔ عقب جنازہ پابرہنہ آئیں۔ اور گریہ و زاری کرتی تھیں [۱]

(صفحہ ۳۷۴ ، ۳۷۵ جلد - ۱)

---

[۱] یہاں بھی پوستی جی کو الہام ہوا ہے۔ اور حاشیہ پر فرماتے ہیں کہ یہ روائیت سقیفانی مشینری کی تیار کردہ ہے۔ پھر فوراً ہی دوسری طرف گھوم جاتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ طلاق دینے کی وجہ یہ تھی کہ حکومت جس کو خلافت کہا جاتا تھا۔ دورِ امام حسنؓ میں زہر ہلاہل کا پیالہ گناہوں کا مجموعہ غلاظت و گندگی کی پوٹ بن گئی تھی۔

لهذا معاویہؓ جس عورت کے ذریعے زہر دلوانے کی کوشش کرتا اور آپ کو شبہ ہوتا آپ اسے طلاق دیدیتے۔ اور دوسری سے نکاح کر لیتے۔ اس پر شبہ گزرتا تو اسے طلاق دے کر تیسری سے نکاح کر لیتے۔ آخر معاویہؓ زہر دینے میں کامیاب ہو گیا۔

ارے میاں پوستی عقل کے ناخن لو تو بغض معاویہؓ میں جس کے ہاتھ پر تیرا دوسرا امام بیعت کر کے تمام حقوق خلافت و امامت اس کے سپرد کر چکا ہے۔ اس قدر دیوانہ ہو گیا ہے۔ کہ تیرا امام کہتا ہے۔ کہ جعدہ مجھے زہر دے گی اور میں اس کو از تکاب جرم کے بغیر گھر سے کیسے نکال سکتا ہوں اور تو ہانک لگائے جا رہا

(بقیہ صفحہ ۱۴۳ پر ملاحظہ فرمائیں)

حسنؓ طبعی موت مرے

زہر خورونی کی داستان سراسر بکواس ہے

حضرت حسنؓ نے چالیس دن بستر پر گزارے۔ اور فوت ہو گئے

(تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۳۲۶) میری مدت علالت دو ماہ بیان کرتا ہے۔ صفحہ ۲۶ ج - ۱ - ذیابیطس کا عارضہ تھا اس میں شہد کا شربت پینے سے اشتداد ہو گیا۔ زہر خوردنی کی روائتیں بہت بعد کی ایجاد ہیں۔ چنانچہ ابن قتیبہ متوفی ۲۶۷ھ دینوری متوفی ۲۸۱ھ اخبار الطوال ، صاحب کتاب المجر متوفی ۲۴۵ھ نے زہر خوردنی کا اشارہ تک نہیں کیا۔ سب سے پہلے یعقوبی کو یہ الہام ہوا۔ اور یہ شوشہ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا کہ کہا جاتا ہے کہ حسنؓ کو زہر دیا گیا۔ اس فقرے کی قدر و قیمت کا اندازہ مورخ ہی لگا سکتے ہیں۔ سب سے پہلے مسعودی متوفی ۳۴۶ھ نے زہر خوردنی کا ذکر کیا ہے۔ مگر اس نے بھی کہا جاتا ہے کے مہمل فقرہ کے تحت۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲ سے آگے)

ہے کہ حسنؓ اس لئے طلاقیں دیتا رہا کہ اسے شک گزرتا رہا کہ شائد یہ عورت مجھے زہر نہ دیدے۔

لعنت اللہ علی الکاذبین ؛

محقق الامین نے لکھا ہے کہ حسنؓ حرم کی زندگی سے نہایت نحیف ہو گئے تھے۔ ان کی شخصیت قطعاً بے آزار تھی۔ کسی کو کیا پڑی تھی کہ ایسے بے آزار شخص کو زہر دلواتے۔ شیعہ مؤرخوں نے سیدہ جعدہ پر اس لئے بہتان باندھا کہ وہ سیدنا ابوبکرؓ کی بھانجی تھیں۔ المدائنی کہتا ہے۔ حسنؓ نے نوّے نکاح کئے۔ سو کنیزوں کے ہاتھ رقم بھیجنے کا واقعہ جلاء العیون کا مصنف خود تسلیم کرتا ہے۔ یہ واقعہ تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۳۲۴ پر بھی موجود ہے۔ آپ کو پانچ کروڑ نقد کوفہ اور بصرہ کے خزانے سے دیا گیا۔ بیس لاکھ سالانہ وظیفہ تھا۔ یہ سب حرم کی زندگی پر خرچ ہوتا تھا۔

ایک دفعہ مقروض ہو کر معاویہؓ کو لکھا تو آپ نے اسی ہزار دینار بھیجے (صفحہ ۳۲۶ ایضاً)

شیعوں کے اس مزعومہ امام کے متعلق زہر خوردنی پر تو مجلسی سے پوستی تک سب ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ مگر کثرت طلاق کی طرف توجہ کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر بھی کبھی غور کیا ہے۔

ابغض الحلال الی اللہ الطلاق۔

حضرت حسنؓ کی وصیّت

کہ مجھے بقیع میں دفن کرنا

مجھے غسل دینا کفن کرنا۔ میرے نانا رسولؐ پاک کے پاس لے جانا کہ ان کی زیارت کروا۔ اور اپنا عہد ان سے تازہ کروانے کے بعد میری مادر فاطمہؓ کے پاس لے جانا (فاطمہؓ کی قبر کہاں تھی) بعد ازاں مجھے قبرستان بقیع میں دفن کرنا۔ (صفحہ ۳۷۰ ج ۱۰)

چند صفحات کے بعد مجلسی کو شیعیت کے مروڑ نے گھیرا تو بغیر سوچے سمجھے کہ میں پہلے کیا لکھ چکا ہوں یوں دیا کھان دیا کہ حضرت حسینؓ نے غسل و کفن سے فارغ ہو کر چاہا کہ جنازہ امام حسنؓ روضہ رسول اللہؐ میں لے جائیں۔ مروان مانع ہوا اور اشتر پر سوار ہو کر عائشہؓ (صدیقہ کائنات) کے پاس گیا اور اشتر سے اتر کر عائشہ کو سوار کر کے قبر رسولؐ خدا کے پاس لایا۔ صفحہ ۳۷۳ ج ۱۰

کتنا عظیم جھوٹ۔ بہتان اور افترا ہے کہ سیّدہ عائشہ کو مروان اشتر پر سوار کر کے لایا۔ ان عقل کے اندھوں سے کوئی پوچھے کہ سیّدہ کائنات کا قیام کہاں تھا۔ کہ انہیں لایا گیا۔ ان دین کے دشمنوں کو اتنا بھی پتہ نہیں۔ کہ سیّدہ کائنات خود وہیں مقیم تھیں۔ لانے کا سوال۔ پھر ان سبائیوں سے پوچھا جائے کہ اگر حسنؓ واضح طور پر بقیع میں دفن کرنے کی وصیت کر گئے تھے۔ تو تم ان کے خلاف انہیں روضہ رسولؐ میں دفن کرنے کی بانگ کیوں ہانک رہے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ بغض صحابہ میں ان رافضیوں کی عقلیں اس طرح سلب ہو چکی ہیں کہ آج تک کسی ایک بات پر بھی یہ متفق نہیں ہو سکے۔

معاویہؓ و حسینؓ

مروان معاویہ کی طرف سے حاکم مدینہ تھا۔ اس نے معاویہؓ کو لکھا کہ مجھ سے عمر بن عثمانؓ نے بیان کیا ہے۔ ایک گروہ عراقی و حجازی امام حسینؓ کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں اور ان کو طمع خلافت دلاتے ہیں۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں فتنہ و فساد برپا نہ ہو جائے۔ اب مجھے جو حکم ہو۔ اس کی تعمیل کروں۔ معاویہؓ نے مروان کو لکھا تمہارا خط میرے پاس آیا۔ جو کچھ اس میں مفہوم تھا معلوم ہوا۔ تم ہرگز معترض حسینؓ نہ ہونا۔ اور جب تک وہ تم سے تعلق نہ رکھیں۔ ان سے علاقہ نہ رکھنا جب تک وہ میری بیعت پر وفا کریں گے۔ میں ان کا معترض نہ ہوں گا۔

(صفحہ ۷۲ ج ۱)

تبصرہ

ملا مجلسی کے ان الفاظ سے واضح ہوتا ہے۔ کہ حسینؓ کی ریشہ دوانیوں کے باوجود معاویہؓ ان سے بازپرس نہیں کرتے۔ اور اس عبارت میں ملا صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ حسینؓ معاویہؓ کی بیعت میں داخل تھے۔ حضرت معاویہؓ یزید کو وصیت کرتے ہیں۔ و لیکن امام حسینؓ پس ان کی نسبت قرابت کا حال رسولِ خدا سے تجھے معلوم ہے۔ کہ وہ پارۂ تن رسولِ خدا کے ہیں۔ اور ان کے گوشت و خون سے پرورش ہوئی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بے شک اہل عراق ان کو بلائیں گے۔ اور یاری و نصرت نہ کریں گے۔ بلکہ ان کو تنہا چھوڑ دیں گے۔ لازم ہے کہ اگر تو ان پہ ظفر پائے

کے حق حرمت کو پہچاننا۔ اور ان کے منزلت و قرابت کو جو رسولؐ
ے ھے اس کو یاد کرنا۔ اور ان کی باتوں پر ان سے مواخذہ نہ کرنا
و روابط میں نے اس مدت میں ان سے محکم کئے ہیں ان کو قطع نہ
اور ھرگز ہرگز صدمہ و ضرر نہ پہچانا۔

(صفحہ ۱۳۰ جلد ۲)

حسینؓ خروج کیلئے معاویہؓ کی موت کے منتظر تھے

جب امام حسنؓ نے انتقال فرمایا۔ شیعان عراق نے متعد ہو کے ایک
ام حسینؓ کو لکھا۔ کہ ہم معاویہ کو خلافت سے معزول کر کے آپ کی
ت کرتے ہیں۔ امام حسینؓ نے اس وقت موافقت ان کی صلاح
نہ جانی۔ اور حکم بصبر فرمایا۔

(صفحہ ۱۳۱ ج ۲)

حسینؓ اور ولید گورنر مدینہ

ولید نے حسینؓ کو بُلایا

اور جب امام حسینؓ داخل مجلس ولید ہوئے۔ دیکھا مروان تنہا ولید کے پاس بیٹھا ہے۔ جب امام حسینؓ بیٹھے۔ ولید نے خبر مرگ معاویہؓ حضرت امام حسین سے بیان کی۔ حضرت نے فرمایا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ولید نے یزید کا خط پڑھا۔ حضرت نے فرمایا مجھے یہ گمان نہیں ہے۔ کہ تم مجھ سے پنہاں یزید کی بیعت کرنے پر راضی ہو۔ چاہو گے کہ علانیہ لوگوں کے سامنے یزید کی بیعت کروں۔ ولید نے کہا ہاں یہی مقصود ہے۔

(صفحہ ۱۳۳ ج ۲)

ملا مجلسی نے جن الفاظ میں یہ واقعہ قلمبند کیا ہے اس سے چند ایک امور مستنبط ہوتے ہیں۔ حضرت حسینؓ نے خبر وفات حضرت معاویہ سنکر اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا حضرت کا صریحاً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ حضرت معاویہ کو حقیقی معنوں میں مسلمان سمجھتے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر یزید کی بیعت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ تو صاف جواب کیوں نہ دیا۔ یہ کیوں کہا کہ تم چاہتے ہوگے کہ میں مجمع عام میں بیعت کروں۔

معاً اس کے بعد ملا مجلسی کہتے ہیں۔ کہ حسینؓ رخصت ہوئے۔ تو مروان نے ولید کو بہکایا تو امام حسینؓ اس کلام بدانجام سے غضبناک ہوئے اور فرمایا اے ولدالزنا فرزندان ارزق زنا کار بھلا تو یا وہ مجھے

قتل کر سکے گا۔ قسم بخدا تو جھوٹ کہتا ہے۔ تو اور وہ کوئی میرے قتل پر قادر نہیں۔ (صفحہ ۱۳۳ ج ۲)

تبصرہ

ایک معمولی عقل و خرد کا آدمی بھی مجلسی کی ان بے تکی باتوں پر یقین نہیں کر سکتا۔ ولید مدینہ کا گورنر اور صاحب قوت آدمی ہے۔ بھرے دربار میں حسینؓ کا ان الفاظ سے مخاطب کرنا قطعاً قرین عقل و دانش نہیں۔ اور اگر اسے مان بھی لیا جائے تو ولید کا حوصلہ صبر اور تحمل قابل تعریف ہے۔ جس نے باوجود طاقت کے آپ سے درگزر کی۔ اگر ولید چاہتا۔ تو اسی وقت حسین کو گرفتار کر سکتا تھا۔ تیسری توجہ طلب بات یہ ہے۔ جو حسینؓ نے کہی۔ قسم بخدا تو جھوٹ کہتا ہے تو اور وہ (یزید) کوئی میرے قتل پر قادر نہیں۔ پھر آج یہ ڈھنڈورا کیوں پیٹا جا رہا ہے۔ کہ یزید قاتل حسین ہے۔ اگر یزید قاتل حسین ہے تو اپنے امام کی اس قسم کا کفارہ آج مجلسی کے ذمہ ہے۔ یا تمام شیعوں کے ذمہ ہے۔ اور یزید یا اس کا کوئی کارندہ اگر حسینؓ کے قتل پر قادر نہیں ہو سکا تو۔ حسینؓ کو کس نے قتل کیا۔ حسینؓ کے قتل کے متعلق تمام تواریخ اس بات پر شاہد اور گواہ ہیں۔ کہ آپ کے قاتل آپ کے ہی شیعہ تھے۔

شیعہ مذہب کی کوئی کتاب کھول کر دیکھو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ قاتل علیؓ شیعہ تھا۔ حسن کو ذلیل و رسوا کرنے والے شیعہ تھے۔ اور حسین کے قاتل سب کے سب شیعہ تھے۔ اور آج تک ماتم، سینہ کوبی اور مرثیہ گوئی کی چیخ و پکار میں اصل حقیقت کو چھپانے کی سعی لاحاصل میں مصروف ہیں

یہ واقعہ ستائیسویں رجب کا ہے۔ صفحہ ۱۳۲ پر یہ کلمات حضرت حسینؓ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ کہ میں نے رسولِ خداؐ سے سنا۔ کہ خلافت آلِ ابو سفیان پر حرام ہے۔ مگر زمانے نے دیکھ لیا کہ شیعوں کے اس امام ثالث کی قسموں کے باوجود آلِ ابو سفیان نے تختِ خلافت کو پورے ننوے سال زینت دی۔ اور ساداتِ امیہ کی خلافت ہی وہ واحد خلافت تھی جس میں سوائے چند سرپھرے علویوں کے کسی نے کسی موقع پر ان کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا۔ ان کے زمانہ میں موسےٰ بن نصیر بر اعظم افریقہ کے مغربی ساحل تک پہنچے۔ محمد بن قاسم مشرق میں ملتان تک فتوحات کے پھریرے اُڑاتے ہوئے آئے۔ قتیبہ بن مسلم باہلی نے چین تک توحید کا نعرہ پہنچایا۔ اور شیعوں کے امام ثالث کی "لخدا" والی پیش گوئیاں دھری کی دھری رہ گئیں۔

حسینؓ مدینہ سے رخصت ہوتے ہیں

۲۷ رجب رات کو ولید سے آپ نے وعدہ کیا کہ صبح مجمعِ عام میں بیعت کروں گا۔ اور آدھی رات کو اپنا کنبہ لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کیا حسینؓ جیسی شخصیت اس کھلی دروغ گوئی اور دھوکہ دہی کی مرتکب ہو سکتی تھی آپ ۳ شعبان کو مکہ پہنچے۔

معلوم ہوتا ہے ان "محبان اہل بیت" کے دماغوں میں عقل کی بجائے دیوانگی۔ دلوں میں انصاف وعدالت کے بجائے بغض وعناد کی آگ جل رہی ہے۔ ایک شخص اگر مدینہ سے چھپ کر مکہ کو روانہ ہوتا ہے۔ تو یہ امر دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ اس قسم کی غیر معروف اور غیر اہم شخص ہے کہ اس کی روانگی کا کسی نے نوٹس ہی نہیں لیا۔ اور اگر وہ اہم شخصیت ہے۔ تو مدینہ کا گورنر نہایت عالی حوصلہ بلند کردار بلند ہمت، دور اندیش اور جزرس ہونے کے علاوہ نہایت متحمل مزاج آدمی ہے۔ جو حکومت وقت کے ایک "باغی" کے اس طرح چھپ کر نکل جانے پر کوئی کاروائی نہیں کرتا آئیے میں آپ کو صحیح صورت حال سے آگاہ کروں۔۔ ولید کو معلوم ہو چکا تھا کہ حسینؓ آرزوئے خلافت کے جذبات سے مغلوب ہو چکے ہیں ولید جانتے تھے کہ تمام عالم اسلام بلا جبر و اکراہ نہایت خوشی سے امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کر چکا ہے۔ امہات المومنین اور ہزاروں صحابہ نے جس والہانہ انداز سے امیر یزید کی خلافت کو خوش آمدید کہی ہے ان حالات میں یہ سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا کہ کوئی ایک آدمی بھی

خلل کا موجب بنے۔

حسینؓ کا ساتھ دے کر امن عامہ میں
ان حالات میں حسینؓ کی نقل مکانی کو ولید جیسے مدبر حاکم نے ایک بچگانہ کھیل سے زیادہ اہمیت نہ دی۔ ولید کو اپنی مومنانہ فراست سے معلوم ہو چکا تھا۔ کہ حسینؓ جس زعم کو سینے میں دبائے مکہ جا رہے ہیں۔ وہ کبھی بھی عملی صورت اختیار نہیں کرے گا۔ ولید کو خوب معلوم تھا کہ اس بھری دنیا میں ایسا کوئی دیوانہ موجود نہیں۔ جو ایک پرامن حکومت کے اندر خواہ مخواہ کسی کے باغیانہ خیالات سے متاثر ہو کر ملک میں فساد پھیلانے کا یا اپنی ہلاکت کا موجب بنے۔ اور ولید کا یہ خیال آخر صحیح ثابت ہوا۔

۳ شعبان سے ۸ ذوالحجہ تک گویا تین ماہ اور چند روز حسینؓ کا قیام مکہ میں رہا۔ مدینہ سے آپ جن حالات میں رخصت ہوئے تھے۔ وہ تمام حالات امیر یزید کو معلوم ہو چکے تھے۔ مکہ میں پہنچ کر آپ نے فضا اپنے حق میں سازگار کرنے کی تین مہینے سر توڑ کوششیں کیں۔ مگر ایک متنفس نے بھی آپ کا ساتھ نہ دیا۔

عراق کے لوگوں سے آپ کا پہلے بھی رابطہ تھا اور آپ انہیں کہہ چکے تھے کہ معاویہؓ کی موت تک انتظار کیا جائے۔ امیر معاویہؓ کی موت نے معاملہ صاف کر دیا۔ تین مہینے حسینؓ کی عراقی شیعوں کے ساتھ خط و کتابت ہوتی رہی۔ حاکم مکہ کو لمحہ لمحہ کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اور وہ تمام حالات امیر یزید کو مطلع کرتا رہا۔ مگر نہایت حیران کن بات ہے۔ کہ نہ حاکم مکہ خود حضرت حسینؓ سے متعرض ہوتا ہے۔ اور نہ ہی کسی تاریخ میں اس قسم کا کوئی اشارہ تک ملتا ہے۔ کہ امیر یزید نے اس سلسلہ میں کسی قسم کی کارروائی کا حکم دیا۔ یہاں ایک بار پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ لگاتار تین مہینے حکومت

کی طرف سے کوئی نوٹس نہیں لیا جاتا۔ آخر اس کی وجہ ؟

اس سے پہلے حاکم مدینہ ولید کا خیال پیش کیا جا چکا ہے۔ گورنر مکہ امیر یزید کو باخبر رکھنے کے باوجود حضرت حسینؓ کی اس تمام نقل و حرکت کو محض بچگانہ حرکت سمجھتا تھا۔ اور امیر یزید کا بھی یہی خیال تھا۔ اور پھر امیر یزید کے پاس حضرت حسینؓ کے متعلق اس قسم کی اطلاعات پہنچی تھیں۔ کہ آپ عراقی شیعوں کے ساتھ ساز باز کر رہے ہیں۔ تو انہوں نے درگزر، تحمل، بردباری، حوصلہ متانت اور عفو و احسان کی آخری حدود تک یہ چاہے رکھا۔ کہ اگر حسینؓ بیعت نہیں کرتے تو اس سے کون سا فرق پڑ جائے گا۔ جبکہ تمام عالم اسلام خوشی سے بیعت کر چکا ہے۔ اور پھر کسی کو کسی قسم کی تکلیف بھی نہیں۔ حسینؓ کے بیعت نہ کرنے سے کیا فرق پڑ جائے گا۔ امیر یزید کو جب مسلمؒ کے کوفہ پہنچنے کا علم ہوا تو اس وقت انہوں نے ضرور سوچا ہو گا۔ کہ پانی سر سے گزر رہا ہے۔ مگر ان حالات میں بھی انہیں ملک میں کسی قسم کے اختلال کی بجائے یہ بات زیادہ کھٹکتی تھی کہ حضرت حسینؓ پر اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے کوئی مصیبت نہ آ جائے۔

عراق سے خطوط کی بھرمار

دس رمضان کو کوفہ کے دو قاصد عبداللہ بن مسلم ہمانی اور عبداللہ بن دال آپ کی خدمت میں مکہ پہنچے۔

دو روز بعد قیس بن مسہرہ، عبداللہ بن شداد، عمارہ بن عبداللہ وغیرہ ڈیڑھ سو خط لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

پھر دو روز بعد متعدد خطوط لیکر ہانی بن ہانی سبعی، سعید بن عبداللہ حاضر خدمت ہوئے۔ چند روز بعد شبث بن ربعی۔ حجاز بن الحر۔ یزید بن حارث عروہ بن قیس، عمرو بن حجاج اور محمد بن عمرو نے ایک عریضہ بھیجا۔

ان تمام خطوط کی تعداد چھ سو لیکر بارہ ہزار بیان کی جاتی ہے۔ اور ان سب کا مشترک ماحصل یہ تھا کہ صحرا سبز اور میوے تیار ہیں۔ لشکر حاضر ہے۔ ہمارا کوئی امام نہیں۔ خدا آپ کی برکت سے ہم کو ہدایت دے۔

(تلخیص صفحہ ۱۳۹ - ۱۴۰ جلد دوم)

تبصرہ

کسی تاریخی واقعہ کو بیان کرتے وقت کسی روایت کے پس منظر میں تمام وہ حقیقتیں جو پوشیدہ ہوتی ہیں۔ معمولی سی غیر جانبدارانہ سوجھ بوجھ رکھنے والے آدمی سے ڈھکی چھپی نہیں رہ سکتیں۔ اہل عراق حضرت حسینؓ کے خلع خلافت کے وقت معہ اپنے مزعومہ امام کے سیدنا امیر معاویہؓ

کے ساتھ پر بیعت کر چکے تھے۔ اور سیدنا امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔ پھر ان کا یہ لکھنا کہ ہمارا کوئی امام نہیں۔ سراسر دھوکا فریب اور جعل تھا۔ پھر ساتھ ہی حضرت حسینؓ کو یہ چکمے دئے جا رہے ہیں کہ یہیں آکر ہدایت کا راستہ دکھائیے۔ اور یہ سبز باغ بھی دکھا رہے ہیں کہ صحرا سرسبز ہیں اور پھل پک چکے ہیں۔ گویا آپ کو پھانسنے کے تمام حربے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ معلوم ایسے ہوتا ہے کہ تین مہینے کے اس عرصہ میں ان لوگوں کے پاس سوائے اس کے کرنے کا اور کوئی کام نہ تھا۔ کہ حضرت حسینؓ کو بلایا جائے۔

حضرت حسینؓ کو کوفہ میں بلانا اگر محض محبت کی خاطر ہوتا تو خواہ محبت جنون کی حدود سے بھی متجاوز ہو جاتی۔ اس قلیل عرصہ میں بارہ ہزار خطوط اور بیسیوں قاصدوں کا آپ کی خدمت میں پہنچنا بھی محل نظر تھا۔ یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت کیا جا رہا تھا۔ دراصل مجوسی اور یہودی تحریک زیر زمین اب پورے جوبن پر پہنچ چکی تھی۔ اگر وہ لوگ خلافت علیؓ کے زمانے میں سیدنا حسینؓ سے متعارف نہ ہوتے۔ یا ان کی افتاد طبع سے واقف نہ ہوتے۔ تو یقیناً کسی اور اہم شخصیت کو گھیر کر اس سے بھی وہی سلوک کرتے جو انہوں نے آخر سیدنا حسینؓ سے کیا۔ آج یہ ڈھنڈیا بھی پیٹی جا رہی ہے۔ کہ اگر عین حج سے دو دن پہلے حسینؓ مکہ نہ چھوڑتے تو قتل کر دیئے جاتے۔ ان عقل و دیانت کے کورے شرم و حیا سے عاری لوگوں سے پوچھا جائے۔ کہ عین حج کے موقع پر آپ کو کیوں قتل کیا جاتا۔ آپ تو تین مہینے سے مکہ میں مقیم تھے۔ اور آپ کی طرح عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ انہیں کسی نے کیوں قتل نہ کیا۔

دراصل سیدنا حسینؓ کے اس ارادہ سے اکثر لوگ واقف ہو چکے
تھے۔ اور متعدد مواقع پر سنجیدہ اور باثر اصحاب نے آپ کو اس
عرصہ میں سمجھانے کی کوششیں بھی کر چکے تھے۔ اب سیدنا حسین کو صاف نظر
آرہا تھا کہ اگر حج کے موقع پر میں مکہ میں موجود رہا۔ تو یہاں تمام عالم اسلام
کا اجتماع ہوتا ہے۔ جو بھی میرے اس ارادہ سے واقف ہوگا۔ وہ یقیناً
مجھے اس ارادہ سے روکے گا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی میرے سدراہ
ہو۔ اس لئے انہوں نے ادائیگی فریضہ حج کی نسبت کوفہ کی طرف روانگی کو
ترجیح دی اور یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ اگر حسینؓ حج کے موقعہ پر مکہ میں ہوتے
تو قتل کر دیئے جاتے۔ یہ لکھنے والا صرف بے وقوف ہی نہیں بلکہ دیوانہ بھی ہے
حج کے موقع پر لاکھوں آدمیوں کی موجودگی میں آپ کو قتل کرنا آسان تھا
یا اس وقت جب آپ بالکل اکیلے تھے۔ گورنر مکہ کے سامنے کوفہ سے
وفود آرہے ہیں، خطوط آرہے ہیں۔ اور اب آپ حضرت مسلم کو بھی بھیج
چکے ہیں۔ مگر گورنر مکہ آخر تک اغماض اور چشم پوشی سے کام لے رہا ہے

ادھر حکومت کی نرم مزاجی اور مشفقانہ انداز نے آپ کے حوصلے کو
مہمیز کیا۔ اور شیعانِ عراق اپنے نہاں خانہ دماغ میں پنہاں منصوبوں کو بروئے
کار لانے میں پورے طور پر ایڑی اور چوٹی کا زور لگاتے رہے۔ بار بار
قاصدوں، وفود، اور خطوط کا مقصد یہ تھا۔ کہ حسینؓ ہاتھ سے نکل نہ جائے
شیعانِ عراق یعنی یہود و مجوس کے گٹھ جوڑ کا مقصد واضح تھا۔ کہ اب
مملکت اسلامیہ میں کلی طور پر امن و سکون کی فضا پیدا ہو چکی ہے۔ اور یہی
انہیں پسند نہ تھا۔ مجوس کو اپنی ہزار ہا سالہ حکومت کے چھننے کا غم اور
یہود کو اپنی اجارہ داری کے سلب ہو جانے کا انمٹ صدمہ تھا۔ جو انہیں

چین سے نہیں بیٹھنے دیتا تھا۔

ان کی آتش انتقام سیدنا علیؓ کو گھیر کر اسی ہزار فرزندان توحید کو خاک و
خون میں تڑپا کر اور حسنؓ کو ذلیل و رسوا کر کے ابھی نہیں بجھی تھی۔ اور اب
امیر یزید کے حسن انتظام سے مملکت اسلامیہ کی ترقی ان کے سینوں پر
سانپ بن کر لوٹ رہی تھی۔

یہ تھا پس منظر! نام نہاد شیعان علیؓ کے خطوط کا!

حسینؓ اپنی سادگی طبع کی وجہ سے حالات کے نشیب و فراز کو سمجھنے کی
طرف متوجہ نہ ہوئے۔ اور اس پر ان کی خواہش حکمرانی نے سمند آرزو
پر تازیانہ کا کام دیا۔ گویا آپ نے عراق میں پہنچ کر اپنی حکومت کے
اعلان کا مصمم عزم کر لیا تھا۔

حسینؓ مکہ سے رخصت ہوتے ہیں

ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ نے آپ کے ارادہ سے واقف ہو کر روکا مگر آپ نے نہ رکنے کا تہیہ کیا۔ اس کے بعد آپ کو روکنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ جن میں سے زرارہ بن صالح۔ محمد بن علی المعروف ابن حنفیہ۔ عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ ابن زبیر۔ عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن جعفر نے ہر چند کوششیں کیں۔ مگر آپ نے کسی کی نہ سنی۔ عبداللہ بن زبیر نے تو یہاں تک کہا کہ آپ یہیں اعلانِ حکومت کیجئے۔ اور ہاتھ لائیے میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ عبداللہ بن جعفر نے اپنی زوجہ یعنی سیدہ زینب کو روکا اور وہ نہ رکیں تو انہیں طلاق دیدی اور اپنا لڑکا علی الزینبی ان سے چھین لیا۔ یہ غلط ہے کہ عون اور محمد عبداللہ کے بیٹے تھے۔ یہ عبداللہ اور زینب کے بیٹے نہیں بلکہ دیور تھے۔

ایک اہم موڑ

آپ سب کو ٹھکرا کر حج کا احرام کھول کر مکہ سے روانہ ہو کر تنعیم کے مقام پر فروکش ہوئے تو یمن سے ایک قافلہ خراج کا مال لے کر شام کو جاتا نظر آیا۔ آپ نے اس قافلہ کا تمام مال یہ کہتے ہوئے اپنی تصرف میں لے لیا کہ یہ مال امام کا حق ہے۔

(تلخیص صفحہ ۱۵۹ جلد ۲)

اس مقام پر اس سے زیادہ کیا کہا جا سکتا ہے۔ کہ مکہ سے نکلتے ہی آپ نے اپنے آپ کو مملکت اسلامیہ کا حکمران سمجھ کر سرکاری خزانہ لوٹ لیا۔ مگر اس کے باوجود حکومت بجائے اس کے کہ بازپرس کرتی۔ الٹا امن نامہ تحریر کر کے واپس مکہ بلا رہی ہے۔

چنانچہ مجلسی لکھتا ہے۔

عبداللہ بن جعفر (آپ کے چچازاد اور بہنوئی) عمرو بن سعد حاکم مدینہ کے پاس گئے اور اس سے کہا ایک خط امام حسینؓ کے نام اپنی طرف سے لکھ دو اور اپنی امان دے کر التماس و معاونت کرو۔ عمرو نے ایک خط امام حسینؓ کی خدمت میں لکھا اور اپنے برادر یحیٰ کے ہمراہ روانہ کیا۔ اور عبداللہ بھی ہمراہ یحیٰ ہوئے۔ جب امام حسینؓ کی خدمت میں پہنچے۔ ہر چند مبالغہ آمیز مراجعت آنحضرت میں کیا۔ کچھ مفید نہ ہوا۔

(صفحہ ۱۵۹ جلد ۲)

آپ منزل بمنزل ثعلبیہ پہنچ گئے۔ ایک بار پھر اس طرف توجہ کیجئے کہ مکہ سے نکلتے ہی آپ حکومت موقتہ کا خزانہ لوٹ لیتے ہیں۔ حاکم مکہ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود کہ آپ کوفیوں کے بہکانے میں آ کر یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں اور کوفہ پہنچ کر اعلانِ حکومت کرنے والے ہیں حاکم مکہ کے پاس اس قسم کی حرکات کے دفعیہ کی پوری طاقت موجود ہے۔ مگر وہ امیر المومنین امیر یزید کے حکم کی وجہ سے ایسے کسی فعل کے ارتکاب کے لئے تیار نہیں جو امن عامہ میں معمولی سے خلل کا بھی موجب بنے ثعلبیہ کے مقام پر حضرت مسلم کی شہادت کی اطلاع ملی۔ اس

سے پہلے متعدد خطوط میں مسلم لکھ چکے تھے۔ کہ آج اٹھارہ ہزار کوفیوں نے میرے ہاتھ پر آپ کی امارت کے لئے بیعت کی ہے۔ آج چوبیس ہزار تک پہنچ گئے ہیں۔ آج تیس ہزار ہوگئے ہیں۔ مگر یک لخت یہ افواہ سن کر آپ سکتہ میں آگئے۔ سخت اندوہناک ہوئے۔

(صفحہ ۱۶۳ ج ۔ ۲)

پس عبداللہ بن سلیمان و منذر بن مشمعل (مسلم کی شہادت کی خبر لانے والوں) نے عرض کیا کہ اہل کوفہ آپ کے باپ اور بھائی کی طرح ناصر و یاور نہ ہوں گے۔ ہماری التماس ہے کہ آپ واپس تشریف لے جائیں۔

آپ کا رجوع

حضرت امام حسینؑ متوجہ اولاد عقیل ہوئے۔ انہوں نے کہا بخدا سوگند ہم واپس نہ جائیں گے۔

(صفحہ ۱۶۳ جلد ۲)

مصنف تصویر کربلا لکھتا ہے۔ کہ کربلا میں پہنچ کر آپ نے فرمایا اگر تم کو میرا آنا ناگوار ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ (صفحہ ۲۶

یہی لفظ جلاء العیون صفحہ ۱۷۱ جلد ۲ پر ملا مجلسی نے لکھے ہیں۔

اقول

آپ نے ثعلبیہ سے واپسی کا ارادہ کر لیا تھا۔ چنانچہ، جلاء العیون کے ان الفاظ کے علاوہ کہ آپ متوجہ اولاد عقیل ہوئے۔ یعنی آپ نے چاہا کہ واپس ہوجائیں۔ ناسخ التواریخ میں بھی موجود ہے۔ کہ آپ نے واپسی کا ارادہ کر لیا تھا۔ اور مولوی سید محمد قلی صاحب مجتہد نے تو صاف اقرار کیا ہے۔ "ہر چند قصد رجوع کرد ممکن نشد" یہ تصریحات اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ آپ کا عزم کوفہ جہاد کی غرض سے نہیں بلکہ حصول خلافت کے لئے تھا۔ اگر یہ جنگ مذہبی ہوتی تو قصد رجوع قطعاً ناجائز ہے۔ اور قصد رجوع کے بعد احیائے دین و نجات کے کیا معنی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ثعلبیہ سے بعد کا سفر انتقام خون مسلم کے لئے تھا۔ مگر انتقام خون مسلم کا یہ طریقہ بھی ناقابل فہم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجبوراً آپ آل عقیل کی شرما حضوری میں محض ان کی خوشنودی اور رضاجوئی کے لئے آگے بڑھتے رہے۔

یہاں تک کہ منزل اشراف میں پہنچ گئے۔ اور حُر نے آپ کا راستہ روک لیا۔ اور کہا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ کہ میں آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جاؤں۔ آپ نے فرمایا جب تک زندہ ہوں یہ ذلت مجھ سے گوارہ نہ ہوگی۔ بعد اس کے اصحاب کو حکم دیا۔ سوار ہوں۔ جب ہودج ہائے حرم محترم اونٹوں پر بندھ گئیں۔ حضرت پائے مبارک رکاب میں رکھ کر سوار ہوئے۔ جب چاہا واپس جائیں۔ لشکر مخالف نے راستہ روک لیا اور مانع ہوئے۔

(صفحہ ۱۶۶ جلد ۔ ۲)

اقول

منزل ثعلبیہ سے آپ نے واپسی کا ارادہ کیا۔ لیکن آلِ عقیل کے مجبور کرنے پر آگے بڑھتے گئے۔ اب شیعانِ کوفہ کا ہراول مقام اشراف میں سامنے آیا تو حرم کو سوار کر کے واپس روانہ ہوئے۔ تو شیعان علی مانع آئے۔ گویا جس مطلب کے لئے شیعانِ کوفہ نے بلایا تھا۔ اور اب آپ ان کے قابو میں آ چکے تھے۔ پھر وہ واپس کیوں جانے دیتے۔ وہ تو فیصلہ کر چکے تھے۔ کہ امت کے اشرار میں سے جو بھی قابو میں آئے اسے گھیر کر قتل کر دو۔ اور اس قتل کو آڑ بنا کر مملکت میں فتنہ پیدا کر کے جس حد تک اسلام کو نقصان پہنچایا جائے پہنچاؤ۔

کربلا میں پہنچکر واپسی کا ارادہ

حُر گھیر گھار کر آپ کو مضافات کوفہ میں لے آیا۔ مگر آپ اب پورے طور پر ان کے ارادوں سے واقف ہو چکے تھے۔ آپ نے ثعلبیہ سے ہی اپنا رخ دمشق کی طرف کر لیا تھا کہ اب سوائے اس کے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں کہ سیدھا امیر المومنین امیر یزید کے پاس پہنچ جاؤں۔ کربلا مکہ اور کوفہ کے راستہ سے بالکل مخالف سمت میں کوفہ اور دمشق کے راستہ میں واقع ہے۔ اور یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ آپ عازم کوفہ ہو چکے تھے۔

کربلا سر سبز و شاداب قطعہ اراضی تھا

آج ہر ادنےٰ و اعلیٰ عالم و جاہل خواندہ و ناخواندہ یہی ہانک لگائے جا رہا ہے کہ کربلا بے آب و گیاہ چٹیل ریگستان ہے۔ یہ روائیت بھی اسی روایت کی طرح جعلی بے سر و پا اور جھوٹ و کذب سے بھرپور فرضی داستان ہے جس طرح یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت حسینؓ پیاسے شہید ہوئے۔ کربلا لب دریا فرات چند آباد دیہات کے درمیان ایک سر سبز شاداب قطعہ اراضی تھا۔ مصنف تصویر کربلا لکھتا ہے۔ جس وقت حر کے ساتھ حضرت حسینؓ کربلا پہنچے۔ اس وقت اس کے گرد و پیش ماریہ، غاضریہ، نینوا، قادسیہ، شفیعہ اور عقر وغیرہ قریات اور گاؤں آباد تھے۔ اور عرب ان میں رہتے تھے۔ وہ سب کربلا کی زمین کے مالک اور قابض تھے۔ امام موصوف نے ان کو طلب کیا۔ اور اس بابرکت اور پر شفا زمین کو ساٹھ ہزار درہم دے کر خرید لیا۔ اس کی پیمائش ۴ مربع میل ہے۔

(تصویر کربلا صفحہ ۲۴ مصنف سید آل محمد)

حضرت امام جعفر سولہ مربع میل کہتے ہیں۔ اربعہ امیال فی اربعہ امیال۔ کربلا کی شادابی کی تصدیق اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ خود شیعہ اسے وادی الایمن، فی الارض قطع متجاورات وغیرہ کہتے ہیں۔

کربلا میں ورود کی تاریخ

بقول ایک جماعت کے ۲ محرم روز چہار شنبہ یا پنج شنبہ - بقول بعض آٹھ محرم (صفحہ ۱۶۹ ج - ۲)

ابھی تک ان محبان اہلبیت کو حضرت حسین رضؓ کے کربلا میں ورود کی تاریخ ہی معلوم نہیں - اور محرم کے دس دن اس طرح گزارتے ہیں - گویا خود ٹیپ ریکارڈر اور کیمرہ لیکر وہاں بیٹھے ہوئے تھے - اور جو کچھ وہاں ہوا - ٹیپ نے اپنی زبان میں اور کیمرہ نے اپنی آنکھ میں محفوظ کرلیا -

ابن سعد قاتل حسینؓ تھا یا شیعان حسینؓ خود قاتل تھے

عمر بن سعد نے کربلا میں پہنچ کر عروہ بن قیس کو بلا کر کہا کہ بطور قاصدی امام حسینؓ کے پاس پہنچے - مگر چونکہ وہ ان لوگوں میں سے تھا - جنہوں نے خطوط امام حسینؓ کو لکھے تھے - اس نے قاصدی قبول نہ کی - اور جس رئیس امیر لشکر کو کہتا تھا - کوئی قبول نہ کرتا تھا - اس لئے کہ ان میں سے اکثر وہی لوگ تھے - جنہوں نے آپ کو خطوط لکھے - اور حضرت کو عراق بلایا تھا -

پس کثیر بن عبداللہ نے کہا اگر کہو ان کو قتل کر کے ان کا سر تمہارے پاس لے آؤں - عمر بن سعد شقی نے کہا یہ ابھی منظور نہیں (صفحہ ۱۷۰ جلد دوم)

جب جواب امام حسین عمر بن سعد کو پہنچا - اس نے کہا امیدوار ہوں - خدا مجھے معاملہ ومقاتلہ امام حسین سے نجات دے -

(صفحہ ۱۷۱ جلد دوم)

پانی بند ہوتا ہے

حضرت نے ایک بیلچہ دست مبارک میں لیا - اور عقب خیمہ حرم محترم تشریف لائے - اور پشت خیمہ سے نو قدم سمت قبلہ چلے اور وہاں ایک بیلچہ زمین پر مار اکر باعجاز حضرت چشمہ شیریں آب وہاں ظاہر ہوا - اور امام حسین رضؓ نے معہ اصحاب وہ پانی شیریں نوش کیا - اور مشکیں وغیرہ بھر لیں پھر وہ چشمہ غایب ہوگیا -

(صفحہ ۱۷۲ جلد دوم)

امام حسین رضؓ نے اپنے برادر عباس کو بلایا - اور تیس سوار اور بیس پیادے ان کے ہمراہ کر کے بیس مشکیں ان کو دیں کہ فرات سے بھر لائیں - جب کنارہ فرات پر پہنچے - عمرو بن حجاج نے پوچھا کون ہے - ہلال بن نافع نے کہا - اصحاب آنحضرت میں سے تمہارا پسر عم ہوں - اور پانی پینے آیا ہوں ...... حجاج نے کہا پانی نہ بھرنے دو - قریب تھا - آتش حرب وضرب مشتعل ہو - مگر اصحاب حسین رضؓ نے مشکیں بھر لیں - اور روانہ ہوئے اور کوئی آسیب وگزند نہ پہنچا -

(صفحہ ۱۷۲ جلد دوم)

امام زین العابدین سے منقول ہے۔ کہ حضرت نے اس شب (آخری رات) حکم دیا کہ خیمہ ہائے حرم محترم متصل ایک دوسرے کے برپا کئے گئے۔ اور ان کے گرد خندق کھود دی گئی۔ اور لکڑیوں سے بھر دیا۔ (ریگستانوں میں اتنی لکڑیاں کہاں) کہ جنگ ایک طرف سے ہو۔ اور علی اکبر کو مع تیس سوار اور بیس پیادے کے بھیجا کہ وہ چند مشک آب بہ نہایت خوف و اضطراب بھر لائے۔ حضرت نے اپنے اہلبیت اور اصحاب سے فرمایا پانی پیو کہ یہ آخری توشہ تمہارا ہے۔ اور وضو و غسل کرو اور اپنے کپڑوں میں خوشبو لگاؤ۔ کہ وہ تمہارے کفن ہونگے اور موافق ایک روایت کے بتیس نفر لشکر عمر بد اختر سے لشکر امام حسینؓ میں داخل ہوئے۔ اس رات کی سحر کو امام نے تہیہ سفر آخرت کیا اور نورا (بال صفا پاوڈر) حضرت کے لئے اس ظرف میں جس میں بہت سا مشک تھا تیار کیا۔ اور حضرت خیمہ مخصوص میں نورا لگا رہے تھے۔ اس وقت بریر بن ہمدانی و عبدالرحمن بن عبداللہ انصاری در خیمہ پر منتظر تھے کہ جب آنحضرت فارغ ہونگے تو یہ بھی نورا لگائیں۔ بریر ہمدانی اس وقت عبدالرحمن سے مذاق کرتے تھے۔ عبدالرحمن نے کہا اے بریر یہ ہنگام مذاق نہیں۔

(صفحہ ۱۷۷ جلد دوم)

امام حسینؓ کے کچھ انصار پانی بھرتے اور کچھ لڑتے تھے۔ جب بیسوں مشکیں بھر گئیں تو بڑی شجاعت سے عباس لڑتے لڑاتے اپنے مقام پر پہنچ گئے۔ اور اس لڑائی میں کوئی شخص شہید نہیں ہوا۔ اسی لئے حضرت عباس کو سقائے اہلبیت کہتے ہیں (تصویر کربلا صفحہ ۳۲)

ابن زیاد کو خبر ملی کہ امام حسین کنواں کھود کر پانی پیتے ہیں۔ اور عمر بن سعد کے حضرت سے سازش کر لینے کی خبر بھی سنی۔

(تصویر کربلا صفحہ ۳۲)

امام حسینؑ نے بزور امامت اپنے زیر قدم دودھ سے زیادہ سفید پانی کا چشمہ جاری فرما کر اور شمر کو دکھلا کر کہا ملعون میں اتمام حجت کرتا ہوں ورنہ ابھی جو چاہوں کروں۔

(خلاصۃ المصائب صفحہ ۱۷۰)

امام تشنہ لب جانب نہر فرات روانہ ہوئے۔ سواروں پیادوں نے راستہ روک لیا۔ اور یہ اشقیا چار ہزار سے زیادہ تھے۔ امام مظلوم نے باوجودیکہ شدت تشنگی بہت کفار کو جانب نار روانہ کیا۔ اور صفوف لشکر کو شگافتہ کر کے گھوڑا پانی میں ڈال دیا اور اپنے اسپ باوفا سے فرمایا پہلے تو پانی پی لے۔ اور اس کے بعد میں پیوں گا۔ گھوڑا اپنی تھوتھنی پانی سے اٹھائے اور منتظر تھا کہ پہلے امام تشنہ لب پانی پی لیں۔ جب امام حسینؓ نے چلو میں پانی اٹھایا اور چاہا نوش کریں۔ ایک ملعون ناہنجار نے آواز دی کہ آپ یہاں پانی پیتے ہیں ادھر لشکر مخالف خیمہ ہائے حرم میں داخل ہو گیا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت نے وہ پانی ہاتھ سے پھینک دیا۔

(صفحہ ۲۰۱ جلد دوم)

تبصرہ

آپ نے نماز ظہر پڑھی

حضرت نے نماز ظہر باجماعت اصحاب باقی ماندہ بعنوان نماز خوف ادا کی اور جو نیزہ و تیر لشکر مخالف سے اپنی طرف آتا تھا دونوں بزرگوار اپنے جسم پر لیتے تھے۔

(صفحہ ۱۸۹ جلد ۲)

تبصرہ

کربلا کے متعلق واضح ہو چکا ہے کہ وہ ایک سرسبز و شاداب خطہ تھا۔ کنارہ فرات پر واقع تھا۔ ایسے مقامات پر جہاں چند فٹ جگہ کھودو پانی نکل آتا ہے۔ اور حضرت حسینؓ نے کسی مقام پر کھود کر پانی نکالا۔ تمام قافلہ پانی سے سیراب رہا۔ دس محرم تاریخ شہادت بیان کی جاتی ہے۔ اور اس دن صبح پانی کی لگن میں مشک کا حل کرنا۔ وضو و غسل کا ذکر واضح طور پر بیان ہو چکا ہے اور اگر فرات سے بھی پانی لایا گیا تو تصریحات بالا کی روشنی میں ایسا کوئی اشارہ تک نہیں کہ کسی کی شہادت عمل میں آئی ہو۔ بلکہ حالات ایسے ہیں کہ آپ کے اصحاب (بال صفا پوڈر) لگانے کے لئے آپس میں چہل بازی کر رہے ہے۔ حضرت نے خود بال صفا پوڈر لگایا۔

معلوم ہوتا ہے کہ سفر کے دوران آپ کو فرصت نہ ملی ہوگی۔ یہاں پہنچ کر زمین خرید لی۔ آپ یہاں مستقل قیام کا ارادہ فرما چکے ہوں گے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ مشک آمیز پانی سے غسل کر کے سفر کی تھکاوٹ دور کریں

شیعان کوفہ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ حضرت حسینؓ آرام سے قیام پذیر ہو جائیں۔ انہیں اس بات کا سخت ڈر تھا کہ اگر آپ قیام پذیر ہو گئے تو لازماً ہمارے بارہ ہزار خطوط سامنے آئیں گے۔ پھر حکومت موقتہ کے ہاتھ سے ہمارا بچنا محال ہو جائے گا۔ عمر بن سعد بھی مطمئن ہو چکے تھے۔ مگر شیعان علی چپکے بیٹھنے والے نہیں تھے۔ وہ بڑی باقاعدگی سے ابن زیاد کو بہکانے میں مصروف تھے۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ چند مٹھی بھر آدمی ایک طرف ہیں اور بقول شیعان کوفہ کے تیس ہزار بلکہ لاکھوں کا لشکر ایک طرف ہے پھر یہ آٹھ دس دن تک انتظار کس بات کا تھا۔ اللہ عقل دے تو صاف واضح ہے کہ حضرت حسینؓ کے قتل کا خیال بھی حکام وقت کے دماغ میں نہ تھا۔ آٹھ دس روز گزرنے پر شیعان کوفہ نے گھبراہٹ محسوس کی۔ جس طرح جنگ جمل اور جنگ صفین میں سبائیوں نے محسوس کیا تھا کہ اگر صلح ہو گئی تو آخر صلح کرنے والوں کی تلواریں ہماری گردنوں پر ہوں گی بعینہٖ یہی صورت یہاں تھی۔ کہ اگر حسینؓ یہاں مقیم ہو گئے یا دمشق چلے گئے دونوں صورتوں میں ہماری گردنیں زیر شمشیر ہوں گی۔ ابن زیاد اور عمر سعد صرف دو آدمی ہزاروں شیعوں کے مقابلہ میں کیا وقعت رکھتے تھے۔ اگر شیعہ چاہتے تو بجائے حسینؓ کے ان دونوں کو پکڑ کر ملک عدم پہنچا دیتے۔ مگر اس طرح ان کی وہ سکیم کامیاب نہیں ہو سکتی تھی جو

ان کے نہاں خانۂ دماغ میں کلبلا رہی تھی - کہ جس طرح بھی ہو سکے - حسینؓ
کو ختم کیا جائے - اور اس کے بعد اس قتل حسینؓ کے نام پر حکومت
میں خانہ جنگی تشتت وافتراق اور بدامنی بدنظمی کا سلسلہ شروع
کیا جائے -

کس نے پانی بند کیا - کس کا پانی بند ہوا - کب ہوا - کون پیاسا رہا
کس نے پیاس سے تڑپ کر جان دی - کب عباس کے بازو کٹے
یہ سب داستان گوئی محل نظر ہی نہیں بلکہ سراسر کذب وافترا
سے مملو داستان ہے - یہاں اس بات کو بھی ذہن میں لائیے کہ حسینؓ
شمر کو پانی دکھا کر کہتے ہیں میں جو چاہوں کر سکتا ہوں - پھر اگر ان کا
کنبہ پیاس سے بلبلا اٹھا تو یہ جرم خود حسینؓ کا محسوب ہو گا - جنہوں
نے باوجود قدرت کے اپنے کنبہ کے تمام افراد کو پیاسا مارا - یا فوج
مخالفین کا - اور اگر اسے فوج مخالفین کا ہی قصور مان لیا جائے
تو وہ مخالفین کون تھے -

خود شیعان علیؓ، شیعان حسنؓ اور شیعان حسینؓ !

مُلا مجلسی کا ایک اور الہام

عباس کی شہادت

"ناگاہ خیمہ سے صدائے العطش بلند ہوئی - حضرت عباس گھوڑے
پر سوار ہو کر نیزہ مشک ہاتھ میں لے کر قصد نہر فرات کیا - وہاں
چار ہزار کفار اشرار موکل آب فرات تھے - ... مشک بھر کر دوش
پر رکھی اور متوجہ خیمہ حرم ہوئے - یزید بن وقار نے دست راست
پر تلوار ماری آپ نے مشک دست چپ میں اٹھائی - حکیم
بن طفیل نے بائیں بازو کو بھی کاٹ دیا - حضرت نے مشک دانتوں
میں پکڑ لی اور گھوڑا دوڑا دیا - ناگاہ ایک تیر مشک پر لگا اور پانی بہہ
گیا - آپ زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑے اور پکارے اے میرے
برادر میری خبر لیجئے"

(صفحہ ١٩٦ جلد دوم)

گذشتہ صفحات کی تصریحات کی روشنی میں ملا مجلسی کی اس
داستان سرائی کی کیا قدر و قیمت رہ جاتی ہے - یہی عباس چند
گذشتہ سطور میں پانی بھر کر صحیح وسلامت لے جاتے دکھائے گئے ہیں
اصل میں ان لوگوں نے ہر اس جھوٹ سے کام لیا - جس سے کسی نہ کسی
طور پر بھی یہ ظاہر ہو سکتا کہ سیدنا حسینؓ پر عمر بن سعد ابن زیاد اور

یزید کیطرف سے بڑا ظلم ہوا - اور یہ لوگ اس میں کس حد تک کامیاب ہوئے یہ ظاہر و باہر ہے -

جھوٹ ہی جھوٹ

ایک دفعہ چار ہزار کافران خدا نے امام ابرار پر تیر برسائے - امام تشنہ لب راہِ خدا میں تیر ہائے جور وجفا کو چہرہ مبارک وسینہ مقدس وگلوئے مطہر پر لیتے اور جہاد اعدا میں کوشش فرماتے

صفحہ ۲۰۱ جلد دوم (یہ تیر تھے یا پروانے)

خیمے نہیں لوٹے گئے

جب عمر بن سعد نزدیک خیمہ ہائے حرم محترم آیا - آواز دی کہ کوئی متعرض احوال زنان خیمہ نشین نہ ہو - اور علی بن حسینؓ کو ضرر نہ پہنچائے - اور جو کچھ چھین لیا ہے واپس کر دیں -

(صفحہ ۲۰۶ جلد دوم)

سیدنا حسینؓ کی تدفین

عمر بن سعد ملعون نے سرہائے شہدا کربلا قبائل عرب کو تقسیم کئے اور ہمراہ حرم محترم اسی روز کوفہ روانہ ہوئے - اہل غاضریہ قبیلہ بنی اسد سے آئے - ان جسد ہائے مطہرہ و بدن ہائے مکرم پر نماز پڑھ کر دفن کر دیا - اور جسد مبارک جناب امام حسینؓ کو اس مقام شریف میں جہاں ضریح مقدس ہے دفن کیا -

(صفحہ ۲۰۹ جلد دوم)

مجلسی کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام شہدا کے سر کاٹے گئے - حالانکہ یہ قطعاً جھوٹ اور افترا ہے - بلکہ سیدنا حسینؓ کی ، سر بریدگی کی داستان بھی کذب محض ہے - یہ ایک ہنگامہ تھا کہ شیعان حسینؓ نے ہلہ بول کر آپ کو معہ آپ کے ساتھیوں کے چند منٹ میں شہید کر دیا - اور عمر بن سعد نے فوراً حالات پر قابو پالیا - جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ خیموں میں پہنچا اور کہا کوئی بھی مستورات اور علی بن حسین سے تعرض نہ کرے - اس نے تمام نعشوں کو دفن کرا کے گنج شہیداں بنا دیا - غاضریہ والوں کو کیا معلوم تھا کہ کون سی نعش کس کی ہے جبکہ انہوں نے زندگی میں ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دیکھا تھا - پھر بقول روافض سیدنا حسینؓ کی نعش تو گھوڑوں کے ٹاپوں سے پامال ہو چکی تھی - وہ ریزہ ہائے

جسم کس نے پہچانے کس طرح اکٹھے کئے اور کہاں دفن کئے۔ یہ سب محض داستان سرائی ہے۔

امام کو امام ہی دفن کر سکتا ہے

امام رضا سے منقول ہے کہ امام زین العابدین مخفی تشریف لائے اور اپنے پدر بزرگوار پر نماز پڑھ کر جسد مطہر آں حضرت کو دفن کیا۔ اور واپس تشریف لے گئے۔

(صفحہ ۲۰۹ جلد ۲)

رجعت

رجعت کا عقیدہ یہود اور مجوس کے عقائد کا چربہ ہے۔ مسلمان حضرت عیسیٰ السلام کی دوبارہ تشریف آوری کے قائل ہیں۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا شوشہ چھوڑنے والوں میں سے مرزا قادیانی اور اس کی امت پیش پیش ہے۔ مگر بدلائل و براہین یہ مسئلہ کئی بار واضح اور صاف کیا جا چکا ہے۔ اور قرآن خود صاف الفاظ میں کہتا ہے۔ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لکم۔ آپ نہ قتل کئے گئے نہ سولی دیئے گئے بلکہ تم پر یہ امر مشتبہ کر دیا گیا ہے۔

رجعت کے عقیدہ کے روافض بڑی شدت سے قائل ہیں۔ مجوس یہود اور ہنود کے عقائد کے ملغوبہ نے روافض کے ذہنوں میں بھی رجعت کے تخیلاتی اور فاسد عقیدہ کو سبز باغ دکھا کر اس لئے ان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو مفلوج کرنے کی کوشش کی۔ یہ لوگ کہیں ہمارے ہاتھ سے نکل نہ جائیں۔ رجعت کا اصل مفہوم اور مطلب تو یہ ہے۔ کہ کوئی زندہ آدمی گم ہو جائے یا قدرت اسے آسمان پہ اٹھا لے یا پوشیدہ کر لے۔ اور کسی وقت اسے ظاہر کرے یا واپس لوٹائے۔ مگر روافض اپنے رجعت کے عقیدہ میں منفرد ہیں۔ یہ لوگ مُردوں کی رجعت کے قائل ہیں حالانکہ اسے رجعت نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ یہ تناسخ اور رواگون کا چکر ہے۔ جو خالصتاً مجوس اور یہود کا عقیدہ ہے۔ یہ لوگ

اگر اتنی سی معمولی بات بھی نہیں سمجھ سکے تو دوسری باتوں کے نہ سمجھنے پر ان پر افسوس محض نادانی ہے۔

حضرت حسینؓ کہتے ہیں۔ پس جو شخص رجعت میں پہلے لوٹے گا اور قبر سے باہر آئے گا وہ میں ہوں گا۔ اور میرا رجعت میں آنا مثل تشریف آوری جناب امیر ہوگا۔ جبکہ قائم آلِ محمد ظاہر ہوں گے۔ میرے پاس ایک گروہ آسمان سے ظاہر ہوگا۔ کہ اس سے پہلے وہ زمین پر نہ آئے ہوں گے۔ اور جبرائیل ومیکائیل واسرافیل ولشکرہائے ملائکہ ومحمد رسول اللہ وعلی ابن طالب امام حسنؓ مع جمیع آئمہ کہ وہ سب اسپان ابلق نور پر سوار ہوں گے اور کوئی مخلوق ان سے پہلے ان اسپان نور پر سوار نہ ہوگی۔ تشریف لائیں گے بعد اس کے رسولِ خدا اپنے علم کو حرکت دیکر قائم آلِ محمد کے ہاتھ میں دیں گے۔

(صفحہ ۲۱۱ جلد دوم)

میں نے دمشق میں سر امام حسینؓ دیکھا۔ کہ نیزہ پر نصب تھا۔ اور کوئی حضرت کے آگے آگے سورۃ اصحاب کہف پڑھتا تھا (گویا جلوس جا رہا تھا) جب اس آیت تک پہنچا ام حسبت ان اصحاب الکھف بقدرت خدا سر سید الشہداء[۱] بزبان فصیح گویا ہوا میرا قصہ اصحاب کہف سے عجیب ہے اور یہ آیت حضرت کی رجعت پر دلالت کرتی ہے۔ کہ وہ حضرت زمانہ رجعت میں کفار سے خون طلب کریں گے

---

[۱] سید الشہداء صرف حمزہؓ ہیں۔ زادیہ عرش پر لکھا ہوا ہے کہ حضرت حمزہؓ سید الشہداء ہیں۔
(اصول کافی کتاب الحجۃ)

بقیۃ السیف

آج روافض اور اہل سنت کے بعض جہلا اکثر مجالس اور محافل میں بڑے دردمندانہ انداز میں یہ دہراتے نظر آتے ہیں کہ کربلا میں سوائے علی زین العابدین کے کوئی زندہ نہ بچا۔ یہ سراسر لغو اور کذب وافترا سے بھرپور داستان ہے۔ سیدنا حسینؓ کے ساتھ جو کوفی مکہ سے ہمراہ آئے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ آپ ہمارے ہاتھ سے نکلے جا رہے ہیں۔ اور کربلا وہ مقام تھا جو کوفہ سے دمشق کی طرف خط مستقیم پر واقع تھا۔ پہلے تو ان لوگوں کا خیال تھا کہ سیدنا حسین جب کوفہ پہنچیں گے۔ تو امیر ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے کی وجہ سے گرفتار یا مقتول ہوگئے۔ تو ہمیں ہلڑبازی کا موقع مل جائے گا۔ مگر اب ان کی یہ سکیم فیل ہوتی جا رہی تھی۔ انہوں نے سیدنا حسین سے اپنے خطوط کا مطالبہ کیا۔ مگر آپ نے انکار کر دیا۔ معاملہ چھینا چھپٹی تک پہنچا۔ جو آخر میں تلوار بازی تک جا پہنچا۔ اس تلوار بازی میں کوفیوں سے جو الجھا مارا گیا۔ اور جو خیموں سے باہر نہ نکلا۔ بچ گیا۔ جب ابن سعد کے کانوں میں یہ چیخ وپکار پہنچی تو فی الفور معہ چند لشکریوں کے موقع پر پہنچ گیا۔ اور حالات پر قابو پا لیا۔ کچھ کوفی سیدنا حسین کے ساتھیوں کے ہاتھوں واصل جہنم ہو چکے تھے۔ باقی ابن سعد کے لشکریوں نے ختم کر دیئے۔ ابن سعد کا ارادہ تھا کہ اگر سیدنا حسین بیعت پر رضامند نہیں تو ان پر نگرانی کی جائے اور صورتِ حال سے خلیفۃ المومنین کو اطلاع دی جائے۔ وہاں سے جو حکم آئے اس پر عمل کیا جائے۔ یا حکم آتا کہ انہیں دمشق پہنچا دیا جائے اور حسینؓ خود بھی یہی چاہتے تھے اور یا حکم ملتا کہ اگر انہوں نے زمین خرید کر مستقل سکونت وہاں اختیار کر لی ہے تو

اہنیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ حسینؓ کے ساتھی بار بار میدان جنگ میں جاکر نام لے کر بلانے والوں کو دشنام دیتے رہے۔ مگر بلانے والے یہ کسی صورت میں گوارہ نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے ناموں کی یوں تشہیر کی جائے۔ وہ آگے بڑھتے رہے۔ اور قتل ہوتے رہے اور قتل کرتے رہے۔ ورنہ معمولی سی عقل کا آدمی بھی یہ اندازہ کر سکتا ہے۔ کہ بقول روافض کجا تیس ہزار کا لشکر گراں اور کجا چند نفوس۔ ایک لمحہ کی مار بھی نہ تھے۔ مگر یہاں گھنٹوں لڑائی کا نقشہ جمایا جاتا ہے۔ صبح غسل و نورا اور وضو کا اہتمام ہے۔ پھر جنگ شروع ہوتی ہے۔ ایک ایک للکارتا ہوا خیمہ سے نکلتا ہے۔ اور سامنے بھیڑ بکریوں کے گلے کو دیکھ کر اس میں گھس جاتا ہے۔ پھر دوسرا آتا ہے پھر تیسرا۔ آخر یہ کوئی ڈرامہ تھا یا جنگ۔ دشمنوں نے یک لخت آگے بڑھ کر سب کو اسیر یا شہید کیوں نہیں کر دیا۔

بچنے والوں کی تعداد

تین صاحبزادے امام حسن کے کم سن تھے اور شہید نہ ہوئے تھے۔ ان کے نام حسن مثنیٰ زید اور عمر تھے۔ (صفحہ ۲۱۵ جلد دوم)

زین العابدین نے فرمایا ہم بارہ شخص اہلبیت حضرت رسول تھے کہ ہم کو مجلس یزید میں لے گئے (صفحہ ۲۲۷ جلد دوم)

یہی مجلسی حضرت حسینؓ کی زبان سے بیان کرتا ہے کہ میں اور میرے اہلبیت و اصحاب وہاں شہید ہوں گے۔ اور میرے فرزندوں میں سے سوائے زین العابدین کے کوئی نہیں بچے گا۔

(صفحہ ۱۵۷ جلد دوم)

سید آلِ محمد اپنی مایہ ناز تالیف تصویر کربلا کے آخر میں قتل ہونے والوں اور زندہ بچنے والوں کی ایک فہرست پیش کرتا ہے۔

(۱) حسن مثنیٰ بن امام حسن۔ عمدۃ المطالب، تمقام، ناسخ التواریخ، کشف الغمہ، ارشاد اور ریاض الشہادت میں ان کا نام ہے۔ زخمی ہو کر گر گئے۔ رمق حیات باقی تھی۔ اسماء بن خارجہ ابوحسان ان کا ماموں تھا (گویا لشکر مخالفین میں صرف شمر ہی علی کا ایک سالہ نہیں بلکہ علی کا دوسرا سالہ بھی موجود ہے۔) شفاعت کر کے بچا کر لے گیا۔ کوفہ میں جا کر علاج کیا۔ جب تندرست ہو گئے مدینہ روانہ کر دیا۔ (صفحہ ۸۲)

(۲) ضحاک بن عبداللہ مشرقی۔ گھوڑا تیروں کے خوف سے خیمہ کے اندر باندھ دیا تھا (غالباً خیمہ لوہے کی چادر کا تھا۔) پیدل جہاد کیا۔ پھر امام کو کہا میری بیعت بحال کیجئے آپ نے کہا بحال کی۔ پھر گھوڑے پر سوار ہو کر لڑتا بھڑتا نکل گیا (اور تیس ہزار مردان شجاع منہ دیکھتے رہ گئے)

(۳) عقبہ بن سمعان غلام رباب۔ عمر سعد نے بعد قتل حسینؓ ان کو رہا کر دیا (کیوں) صفحہ ۸۶

۴۔ مرقع بن ثمامہ اسدی۔ تمقام میں ان کا نام ہے۔ بعد قتل حسین گرفتار ہوئے۔ زیاد نے دارہ کیطرف نکال دیا۔ (صفحہ ۸۸)

زین العابدین، زید بن حسن، محمد باقر بن زین العابدین، عبداللہ بن عباس، دو فرزندان مسلم، المختصر یہ کہ بارہ بقول علی زین العابدین دمشق پہنچے۔ چار مذکورہ بالا اس لحاظ سے سولہ زندہ بچے۔

نعش کی پامالی

ملا مجلسی بڑی طویل تمہید کے بعد لکھتا ہے کہ جب فضہ اس شیر کے پاس پہنچی کہا اے ابوالحارث! شیر نے سر اٹھا کر دیکھا۔ فضہ نے کہا کچھ جانتا ہے کہ کافر چاہتے ہیں۔ جسم اطہر امام حسینؓ سے بے ادبی کریں۔ جب شیر نے یہ سنا قتل گاہ میں گیا۔ اور حضرت کے جسد مطہر پر اپنے ہاتھ رکھے رہا۔ جب دوسرے روز (پہلے روز کیا امر مانع ہوا) وہ روسیاہ اس قصد سے قتل گاہ کی طرف گئے اور وہ حال دیکھا۔ عمر سعد نے کہا یہ فتنہ ہے اس کا افشا نہ کرو۔ اور اس قصد سے باز رہا (صفحہ ۲۱۹ جلد دوم)

مجلسی کبھی لکھتا ہے اسی روز تمام لشکر اور حرم محترم کوفہ پہنچ گئے۔

کبھی کہتا ہے ان کے جانے کے بعد یا دوسرے روز غاضریہ والوں نے اجسام شہدا دفن کر دیئے۔ کبھی کہتا ہے حضرت امام کی نعش پامال کی گئی۔ کبھی لکھتا ہے سب نعشیں پامال کی گئیں۔ اب فضہ کو آزاد چھوڑ کر کسی جنگل میں ایک شیر کے پاس پہنچاتا ہے اور ایک شیر کو اس کے ہمراہ لاکر لاش کی حفاظت کراتا ہے۔ اور اس کی اس متضاد روایتوں پر کوئی توجہ نہیں کرتا۔ صحیح بات اس قدر تھی کہ جو باہر نکلے مارے گئے اور شام سے پہلے عمر بن سعد نے سب کو دفن کرا دیا۔ اور بقیۃ السیف کو مع حرم محترم ہمراہ لیکر کوفہ پہنچ گیا۔

مجلسی لکھتا ہے کہ جب سر امام حسینؓ ابن زیاد کے سامنے پیش ہوا تو اس نے حسین کے قاتل کو قتل کرا دیا (صفحہ ۲۲۹ جلد دوم)

اگر ابن زیاد لا نفیوں کے قول کے مطابق اہلسنت کا دشمن تھا تو اس

نے حسین کے قاتل کو کیوں قتل کرنے کا حکم دیا اور ان بارہ افراد کو کیوں زندہ چھوڑ دیا جو کربلا میں بچ گئے تھے۔

شیعانِ علیؓ ہی قاتلِ حسینؓ تھے

ابن زیاد کے سامنے

• سیدہ زینب کہتی ہیں! اے اہل کوفہ تم پر وائے ہو تم نے جگر گوشۂ رسول کو قتل کیا۔ اے اہل کوفہ اے اہل مکر و عذر و حیلہ تم ہم پر گریہ کرتے ہو اور خود تم نے ہم کو قتل کیا ہے۔ واللہ لازم ہے تم بہت گریہ کرو اور کم خندہ کرو۔ (سیدہ زینب کی یہ دعا قبول ہو کر رہی) تلخیص صفحہ ۲۲ جلد دوم

• فاطمہ بنت حسین کہتی ہیں! اے اہل کوفہ اہل عذر و مکر و تکبر و حیلہ حق تعالےٰ نے ہم اہلبیت کو تمہارے ہاتھ مبتلا کیا۔ اور تم کو ہم سے امتحان کیا ہے۔ کل کے روز تم نے ہمارے پدر بزرگوار کو قتل کیا ہے۔۔۔ وائے ہو تم پر لعنت اور عذاب خدا کے منتظر رہو۔۔۔۔ تم کس کس بات کا جواب دو گے۔ میرے جد علی ابن ابی طالب اور فرزندان رسول سے تم نے کیا۔ اور انہیں قتل کیا (صفحہ ۲۲۲ جلد دوم سے تلخیص)

• ام کلثوم خواہر حسین کہتی ہیں۔ اے اہل کوفہ تمہارا حال اور بال بُرا ہو تمہارے منہ سیاہ ہوں۔ تم نے کس سبب سے میرے بھائی حسین کو بلایا۔ اور انہیں قتل کرکے مال و اسباب لوٹ لیا۔

(صفحہ ۲۲۳ جلد دوم سے تلخیص)

• علی زین العابدین کہتے ہیں - تم جانتے ہو کہ میرے پدر بزرگوار کو تم
نے خطوط لکھے اور بلایا (ایک لب مرگ بیمار میں یہ قوت کہاں سے
آگئی - زین العابدین معمولی بیمار تھے اور چونکہ خیمہ سے باہر نکل کر
حملہ آور نہ ہوئے اس لئے کسی نے انہیں کچھ نہ کہا) اور ان کو فریب
دیا ..... ان سے بیعت کی آخر کار ان سے جنگ کی - پس لعنت ہو
تم پر -

یہ طویل خطبات ہیں جنہیں نہایت اختصار سے پیش کیا گیا ہے - ان
میں سے کوئی ایک بھی عمر بن سعد یا ابن زیاد کو مخاطب کر کے انہیں اپنا
قاتل نہیں کہتا - اور یہی لوگ موقع کے شاہد ہیں - اور خلیل قزوینی
نے توصافی میں "باعث کشتہ شدن ایشان تقصیر شیعہ امامیہ است
از تقیہ" لکھ کر تصدیق کی مہر ثبت کر دی کہ امامیہ شیعوں نے تقیہ کر کے
امام حسین وغیرہ کو قتل کرنے کا قصور کیا -

شیعہ قتل حسینؓ سے تقرب خدا چاہتے تھے

امام زین العابدین کہتے ہیں کہ تیس ہزار نامرادوں نے جو مدعی تھے
کہ ہم امت محمدی سے ہیں - اس امام مظلوم کو گھیر لیا تھا - اور ہر
ایک بعوض قتل حسین تقرب خدا چاہتا تھا - (صفحہ ۱۱۶ جلد ۲)

یہ ہے صحیح صورت واقعہ کربلا کی - دوبارہ اس بات پر غور کیجئے کہ
کربلا کے بقیۃ السیف بلا استثنا ذکور و اناث میں سے ایک نے بھی
ابن سعد یا ابن زیاد یا شمر وغیرہ کو اپنے خاندان کا قاتل نہیں کہا -
وہ بار بار ان کوفیوں کا نام لیتے رہے - جنہوں نے انہیں بلایا تھا - اور جو

مکہ سے انہیں اپنے ہمراہ لائے تھے - کوفہ میں نہ کوئی شامی تھا اور نہ
حجازی - یہ سب لوگ وہی کوفی تھے جو اس سے پہلے سیدنا علیؓ کو شہید کر چکے تھے
اور سیدنا حسنؓ کو ذلیل و رسوا اور زخمی کرنے کا موجب بنے تھے - اگر ڈیڑھ
سو سال بعد ابی مخنف مصنف مقتل حسین اس قسم کی ژاژخائی کرے کہ
قتل حسین کے سلسلہ میں قاتلین حسین شامی یا حجازی اور امیر معاویہ کی
فوج کے لوگ تھے تو اس کذب پر لعنت اللہ علی الکاذبین کے علاوہ
کیا کہا جا سکتا ہے -

دربار خلیفۃ المومنین امیر یزیدؒ

• بسند ہائے معتبر امام رضا سے منقول ہے - جب سر مطہر امام حسینؓ
کو یزید کی مجلس شراب میں لے گئے - اس وقت ہمراہ رفقاء، وہ ملعون
شراب زہر مار کرتا تھا - اور شطرنج کھیلتا تھا -

(الخ صفحہ ۲۳۶، ۲۳۷ جلد دوم)

• امام زین العابدین کو اپنے پاس بلایا اور سوہن لے کر اپنے
دست نحس سے طوق آہنی کو گلوئے مبارک سے قطع کیا - اور کہنے لگا
تم نے دیکھا کس لئے میں نے یہ کام کیا - حضرت نے فرمایا اس واسطے
کہ سوائے تیرے کسی کا مجھ پر احسان نہ ہو -

(صفحہ ۲۳۷ جلد دوم)

• اہل بیت آنحضرت کو اپنے محل میں بھیجدیا - عورات ابوسفیان
نے اپنے زیور اتار دیئے اور لباس ماتم پہن کر آواز گریہ و زاری بلند کی

اور تین روز ماتم رہا۔ (صفحہ ۲۸۵ جلد دوم)

ہند[1] دختر عبداللہ بن عامر کہ اس زمانہ میں یزید کی زوجہ تھی اور پیشتر امام حسینؑ کی خدمت میں تھی۔ اس نے پردہ کا خیال نہ کیا۔ اور گھر سے نکل کر مجلس ملعون یزید میں کہ جس وقت مجمع تھا آ کے کہا! اے یزید تو نے سر حسین میرے دروازے پر لٹکایا ہے۔ یزید نے دوڑ کر کپڑا اس پر ڈال دیا اور کہا۔ گھر میں چلی جا اور فرزند رسولِ خدا بزرگ قریش، پر نوحہ و زاری کر۔ ابن زیاد نے اس بارہ میں جلدی کی میں ان کے قتل پر راضی نہ تھا۔

تبصرہ

صفحہ ۲۷۲ سے ۲۷۶ تک مجلسی نے جن خرافات کو جلاء العیون میں بیان کیا ہے۔ انہیں ایک غیر جانبدار صاحب علم آدمی جب پڑھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یزید نے ایک ڈرامہ کی مشق کے لئے ایک سٹیج تیار کر رکھا تھا اس سٹیج پر باری باری ایکٹر آ کر گھنٹوں اسے گالیاں دیتے ہیں۔ ان میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی ہیں۔ وہ خاموش تماشائی کی حیثیت سے گالیاں

---

[1] ملا مجلسی ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر اور ام مسکین جو سیدنا فاروق اعظم کی پوتی تھیں۔ دونوں کے ناموں کو چھوڑ گیا ہے۔ ام محمد زین العابدین کی بہن تھیں اور اس وقت یزید کے حرم میں تھیں۔ (نسب قریش صفحہ ۸۳ جمہرۃ الانساب صـ۷۲ مقام بنی امیہ صـ۱۰۱ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے تعلقات صـ۱۰۱)

دینے والوں کو دیکھ رہا ہے۔ وہ دشنام دینے والے اس کے باپ سے درگزر کرتے ہیں نہ ماں سے، دادا کو بخشتے ہیں نہ دادی کو۔ گویا سات پشتوں تک لپیٹے چلے جا رہے ہیں۔ مگر وہ خاموش ہیں۔ اور آخر میں اپنی عورت کے دروازے پر گویا وہ کوئی جھونپڑا تھا۔ حسین کا سر لٹکا دیتا ہے۔ اس کی عورت کسی بھٹیارن کی طرح گھر سے نکل کر گالیاں بکتی ہے۔ اور وہ کسی چنڈو باز کی طرح دوڑ کر سر کو ڈھانپ دیتا ہے۔ اور عورت سے ڈر کر کہتا ہے گھر میں جا کر ماتم کرو۔ کہاں شاہی محلات اور ان کا احترام۔ کہاں دربار شاہی اور اس کے آداب۔ مجلسی غریب معلوم ہوتا کہ کسی بھٹیار خانے میں بیٹھا بے سر کی ہانک رہا ہے۔ پھر یزید کا سر عام بھرے دربار میں شراب پینا..... آج تک ہزاروں بد قماش بادشاہ، عیاش شہنشاہ جابر و ظالم فاتح اور عیش و عشرت کے دلدادہ حکمران گزرے ہیں۔ حتیٰ کہ نوابان اودھ جیسے سر پھرے حکمران بھی آداب محفل سے غافل نہیں پائے گئے۔ مگر "یزید" جس کے دربار میں بھری دنیا کی عظیم سلطنتوں کے سفراء ہیں۔ بیسیوں صحابی ہیں۔ سینکڑوں اہل علم و فضل ہیں، اور یزید شراب بھی پی رہا ہے۔ اور شطرنج بھی کھیل رہا ہے۔ بجا ہے کہ بادشاہوں نے شراب نوشی کی، شطرنج سے دل بہلایا۔ مگر بھرے دربار میں صرف ایک یزید کو گھسیٹ لانا مجلسی جیسے حواس باختہ آدمی کا کام ہے۔ شیعہ مذہب میں منقولات کا گزر ہے نہ معقولات کا۔ جو بھی اسلام دشمنی کی بات جس کی زبان سے نکل گئی وہ حرف آخر ہو گئی۔ خواہ ایسی باتوں میں تناقضات کے انبار ہوں ان لوگوں کے ذہنوں میں صحابہ کرام، امہات المومنین، تابعین، تبع تابعین اور صلحائے امت کے خلاف جو زہر مجلسی جیسے غالی رافضیوں نے بھر دیا ہے

وہ اس بات کے باوجود کہ ان کے مذاہب کی درجنوں کتابیں ان کو دکھاؤ
یہ لوگ قطعاً ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں گے - اب یہی دیکھ لیجئے کہ امیر یزید
کے متعلق دوسرے شیعہ مؤرخ کیا کہتے ہیں -

- حضرت حسین کی خبر وفات سن کر یزید نے انا للہ وانا الیہ راجعون
پڑھا (خلاصۃ المصائب صـ ۳۰۳)
- یہ واقعہ سن کر دانتوں تلے انگلی دبالی (بحر الاحزان صـ ۳۲۱)
- رو اٹھا (خلاصۃ المصائب صفحہ ۲۹۳، ۳۲۶)
- اس کی عورت روتی ہوئی محل سے نکل آئی (خلاصۃ المصائب صـ ۳۱۵)
- یزید نے اپنی عورت کو کہا - فرزند رسول خدا اور بزرگ قریش پہ
نوحہ زاری کر - (جلاء العیون)
- یزید نہ صرف جلوت میں بلکہ خلوت میں بھی روتا تھا -
(خلاصۃ المصائب صفحہ ۳۹۳)
- اس کی دختران روتی تھیں - (ایضاً ۳۹۲)
- اہل بیت نے ماتم کی اجازت مانگی - یزید نے ایک مکان خالی کرا
دیا اور سات شبانہ روز ماتم رہا - (ایضاً ۲۹۲)
- تباہ حال قافلہ جب دمشق پہنچا تو یہ دیکھ کر یزید رو پڑا - اس کے
ہاتھ میں ایک رومال تھا - جس سے آنسو پونچھتا جاتا تھا - اس نے
سب کو اپنی زوجہ ہند بنت عامر کے پاس بھیجدیا - جب اہل بیت
محل میں پہنچے گریہ و زاری بلند ہوئی جس کی آواز باہر بھی سنائی
دیتی تھی - (صفحہ ۲۹۳)
- امام حسینؓ کا سر سونے کے طشت میں رکھا اور کہا اے حسینؓ تم پر

خدا کی رحمت ہو - تمہارے ہنسنے کی جگہ کیسی اچھی ہے (ایضاً ۲۰۰)

- زین العابدین کی عزت کی اور اہل بیت کو اپنے گھر میں جگہ دی،
اور صبح و شام امام زین العابدین کو اپنے دسترخوان پر بلاتا تھا
(جلاء العیون)
- یزید نے حکم دیا کہ اہل بیت کو خاص مکان میں اتارا جائے - اور
ان کی ضرورت کی ہر چیز بہم پہنچائی جائے - جب تک زین العابدین
دسترخوان پر نہ آتے تھے کھانا نہ کھاتا نہ آرام کرتا -
(طراز مذہب مظفری صفحہ ۲۶۸)
- بروایت ملا اسحاق اسفرائنی اور صاحب ناسخ التواریخ صاحب
مقتل امام الفرائنی لکھتا ہے کہ یزید نے ایک مجمع عام میں تقریر کی
اور فرداً فرداً سب قاتلین حسین پر لعنت کی - (مقتل صـ ۱۹۹)
- عبداللہ بن جعفر طیارؓ شوہر زینب یزید کو فداک امی وابی سے خطاب
کیا کرتے تھے - عبداللہ کے ایک بیٹے کا نام معاویہ تھا - اس معاویہ
کا مدح یزید میں ایک شعر ہے -

اذا مزق الاخوان بالغیب ودھم - فیدا اخو الصفا یزید
(شیعوں کی مشہور کتاب الاعلام الزرکلی صـ ۱۷۳)

- شمر جب حسینؓ کا سر لے کر دربار یزید میں پہنچا اور کہا -

املاء رکابی فضۃ و ذھباً - قتلت خیر الخلق اما و ابا
میرے طشت کو سونے چاندی سے بھر دے - میں نے اسے قتل کیا
ہے جو تمام جہاں میں ماں باپ کی طرف سے بہتر تھا - تو یزید
نے کہا خدا تیرے رکاب کو آگ سے بھرے - تیرے لئے خرابی ہو جب تو

جانتا تھا کہ حسین بہترین خلق ہیں تو پھر تو نے انہیں کیوں قتل کیا۔
(الاعلام الزرکلی صفحہ ۳۰۴)

- میری طرف سے ہرگز تجھے انعام نہ ملے گا۔ (ناسخ التواریخ ۲۶۹)
- دمشق سے روانگی کے وقت زین العابدین کو کہا خدا ابن مرجانہ کا بُرا کرے واللہ میں ہوتا تو حسین جو مانگتے میں دیتا (امیر یزید کے اس کردار سے حسینؓ خوب واقف تھے۔ اسی لئے انہوں نے کربلا سے دمشق جانے کے لئے بار بار کہا مگر شیعان علیؓ نے انہیں نہ جانے دیا۔) اور ان سے اس بلا کو دفع کرتا۔ اگرچہ وہ میرے فرزندوں کی ہلاکت کا موجب بنتا (یزید کے ان الفاظ سے بھی واضح ہوتا ہے۔ کہ قاتلین حسینؓ شیعان علیؓ تھے۔ اگر امیر یزید کی اپنی فوج حسین کی قاتل تھی تو اس کے یہ کہنے کا کیا مطلب کہ اگرچہ وہ میرے فرزندوں کی ہلاکت کا موجب بنتا) (خلاصۃ المصائب صـ ۴۰۵)
- ابن زیاد ملعون نے حسینؓ کے معاملہ میں جلدی کی میں ان کے قتل پر ہرگز راضی نہ تھا۔ (اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ امیر یزید کا حکم پہنچنے سے پہلے ہی حسینؓ شہید ہو چکے تھے۔ (جلاء العیون ۵۲۷)
- حسین کو اس نے (یعنی ابن زیاد) نے قتل کیا خدا اس کو غارت کرے۔ (طراز مذہب مظفری صفحہ ۵۶۴)
- خدا لعنت کرے ابن مرجانہ پر میں نے اسے آپ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔ (احتجاج طبرسی)
- رخصت کے وقت سیدہ ام کلثوم کو ایک تھیلی دیتے ہوئے کہا! فذ ہذا المال ما اصابکم۔ اس قسم کی سینکڑوں تصریحات کتب شیعہ

سے پیش کی جا سکتی ہیں کہ امیر یزید ہرگز ہرگز قاتل حسین نہیں اور نہ اس نے آپ کے قتل کا حکم دیا تھا۔ خود جلاء العیون کا مصنف بھی دبی زبان میں اس بات کا اعتراف کرتا ہے۔

جلاء العیون کا مصنف یہ کتاب لکھتے وقت اس قسم کے لوگوں میں گھرا ہوا معلوم ہوتا ہے جو کردار کے گھٹیا اخلاق کے دیوالیہ انسانیت کے اقدار سے ناواقف تہذیب و شعور سے بیگانہ اور ذلیل طبع لوگ تھے۔ اس نے قریش کے خاندان کو بھی اسی قسم کا گھٹیا تصور کر کے تمام کتاب میں اسی قسم کے بازاری لب ولہجہ کو اپنایا ہے۔ قبل از اسلام قریش میں لاکھوں برائیاں اور عیب تھے مگر مہمان نوازی اور ایفائے عہد میں اپنی مثال آپ تھے۔ اور اسلام نے ان کی تمام برائیوں کو حسنات میں بدل کر انہیں زمانہ کا بے مثال انسان بنا دیا تھا۔ اس سلسلہ میں اموی تھے یا ہاشمی طالبی تھے عباسی جس طرح شرف ومجد، خودداری وغیرت، شجاعت وجرأت میں اپنی مثال آپ تھے۔ اسی طرح بلند اخلاقی، برچشی، عالی حوصلگی اور خاندانی غیرت میں بھی بے مثال تھے۔ امیر یزید کو آج شرابی، زانی، شطرنج باز، جواری جو کہہ لیجئے مگر جو لغو الزامات اس کے سر تھوپے جا رہے ہیں۔ یہ محض مجلسی جیسے لوگوں کی چنڈو خانہ سے اڑائی ہوئی ایک گپ کے سوا کچھ نہیں۔

یزید اور زین العابدینؒ

یزید زین العابدین سے کہتا ہے۔ اپنی حاجتیں مجھ سے بیان کرو۔ حضرت نے فرمایا میری تین حاجتیں ہیں۔

اوّل یہ کہ میرے پدر بزرگوار کا سر مجھے دیدو۔

دوسرے یہ کہ جو ہمارا مال و اسباب لوٹا ہے واپس کرادو۔

تیسرے یہ کہ اگر میرے قتل کا ارادہ ہے تو کسی کو مخدرات عصمت و طہارت کے ہمراہ مدینہ پہنچادو

(صفحہ ۲۵۰ جلد دوم)

اقوال

(علی زین العابدین) میدان کربلا میں سخت بیمار ہیں۔ حتیٰ کہ پہلو بھی نہیں بدل سکتے۔ مگر دوسرے روز ابن زیاد کے سامنے ایک لمبی چوڑی تقریر کرتے نظر آتے ہیں۔ ایک رات میں مجلسی نے نہ معلوم ان کو کون سا آب حیات پلا کر تندرست کر دیا تھا۔ زین العابدین کی بیماری کی داستان گھڑتے وقت داستان گو کی نظروں سے یہ بات پوشیدہ رہی کہ کل میں انہی کو دربار میں خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑا کرنے والا ہوں اب سیدنا حسینؓ کے سر مبارک کا واقعہ دیکھئے وہ سر دمشق سے کہاں گیا کس نے دفن کیا۔ کہاں دفن ہوا۔ سر بریدگی کی داستان بھی فرضی داستان ہے تیسری بات اس سے بھی اہم ہے۔ امیر یزید زین العابدین کو لوٹے ہوئے

مال کی بجائے اپنے پاس سے مال دیتے ہیں مگر وہ تقاضا کرتے ہیں کہ ہمیں اپنا مال ہی دیا جائے (صفحہ ۲۵۰) مگر وہ اپنا مال ہی لینے پر مصر ہیں۔ امیر یزید وہ تمام مال واپس دلا دیتے ہیں اور دو سو طلائی دینار بھی دیتے ہیں جو زین العابدین تقسیم کر دیتے ہیں۔ یہاں جائز ذریعہ سے یزید سے جو ملتا ہے اس کے لینے سے انکاری ہیں۔ مگر مکہ سے نکل کر سیدنا حسین قافلہ لوٹ کر جو مال حاصل کرتے ہیں اس کے متعلق کیا خیال ہے

بات سیدھی اور صاف ہے کہ حسینی خاندان کے بارہ تیرہ افراد امیر یزید کے پاس پہنچائے گئے۔ انہوں نے سب کی تعظیم و تکریم کی بے حساب مال دیا اور باعزت طور پر مدینہ روانہ کر دیا۔

میں اس باب کو سیدنا علیؓ (زین العابدین) کے ان الفاظ پر ختم کرتا ہوں جو آپ نے امیر یزید کو مخاطب کرکے حج کے موقع پر کہے تھے

انّ عبد مکرہ لک	میں مجبوری میں تیرا غلام
فان شئت فبع	ہوں تو چاہے تو مجھے غلامی میں
فروع کافی کتاب الروضہ ص۱۱۱	رکھ اور چاہے بیچ ڈال۔

یہ بات کتب شیعہ سے ظاہر اور واضح ہے۔ کہ

امیر یزید نے نہ خط لکھ کر حسین کو کوفہ بلایا

نہ پیش قدمی کی		نہ قتل کا حکم دیا
نہ قتل پر خوش ہوا		بلکہ رنجیدہ ہوا
قاتلین پر لعنت بھیجی	خود رویا	ماتم کی اجازت دی

اہل بیت حسینؓ کی حرمت کی۔

بڑی حفاظت سے بڑی عزت کے ساتھ مال دیکر رخصت کیا۔

تلکَ عشرۃٌ کاملۃ

مختار ثقفی

میں چاہتا تھا کہ اس شاطر زمانہ مکار وقت اور عیار عراق کا ذکر چھوڑ کر باقی مزعومہ آئمہ کا سرسری تذکرہ کر کے اس داستان کو ختم کردوں۔ مگر مختار کی چند باتوں نے عنان قلم کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔

ایک روایت سن لیجئے!

جب قیامت برپا ہوگی۔ جناب رسولِ خداؐ، جناب امیرؑ، امام حسنؑ اور حسینؑ پل صراط سے گزریں گے۔ اس وقت ان کو تین مرتبہ جہنم میں سے ایک شخص آواز دے گا (حساب وکتاب سے پہلے ہی مختار جہنم میں) یارسول اللہ میری فریاد کو پہنچیے۔ آنحضرت جواب نہ دیں گے۔ پھر تین مرتبہ کہے گا یا امیر المومنینؓ میری فریاد کو پہنچیے حضرت بھی جواب نہیں دیں گے پھر تین مرتبہ کہے گا یا حسنؓ مدد کیجئے حضرت بھی جواب نہ دیں گے پھر تین مرتبہ آواز دے گا یا حسینؓ میری داد رسی کیجئے کہ میں نے آپ کے دشمنوں کو قتل کیا ہے۔ اس وقت جناب رسولِ خداؐ فرمائیں گے۔ اے حسینؓ اس نے تم پر حجت تمام کی۔ اس کی فریاد کو پہنچو..... راوی نے پوچھا! حضرت وہ شخص کون ہے حضرت نے فرمایا وہ مختار ہے۔

(صفحہ ۲۹۱ جلد دوم)

اس روایت کے متعلق کچھ لکھنا محض بے سود ہے۔ مختار اتنا بدکار ہے کہ نبی، علی، حسن، سب اس سے متنفر ہیں۔ مگر حسین اسکی شفاعت کرتے ہیں

دنیائے شیعیت کی یہ ایک مخصوص چالاکی ہے۔ کہ وہ ہر معاملہ میں حسینؓ کو آگے لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور یہ کیا کھیل ہے کہ پورا خانوادہ نبوت ایک فریاد رس کی پل صراط پر کھڑے ہو کر آہ و فغاں سنتا ہے۔ مگر توجہ ہی نہیں دیتا۔ مختار خلافت بنو امیہ کا باغی تھا۔ جو صرف ایک سال زندہ رہا گرفتار ہوا تو سید عبد اللہ بن عمر کی سفارش سے رہا ہوا۔ دوبارہ فتنہ پیدا کیا۔ تو محب اہل بیت بن گیا۔ حالانکہ اسی مختار نے سیدنا حسین کو گرفتار کر کے معاویہ کے پاس بھیجنے کا اپنے چچا کو مشورہ دیا تھا۔ اسی مختار نے عبد اللہ بن علی کو شہید کیا تھا۔ یہ وہی مختار ہے جس نے زین العابدین کو ایک لاکھ درہم بھیجے۔ مگر آپ قبول نہ کرنا چاہتے تھے اور ڈر کر قبول کر لئے۔ اور اس کے واصل جہنم ہونے کے بعد خلیفہ عبد الملک بن مروان کو صورت حال سے مطلع کیا۔

فکتب الیہ عبد الملک یا ابن عم خذہا فقد طیبتہا لک فقبلہا

(طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۲۱۳)

زین العابدین مختار پر لعنت بھیجا کرتے تھے۔ کہ خدا پر اور ہم پر بہتان باندھتا ہے۔ اور دعویٰ کرتا ہے کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔

(صفحہ ۲۹۱ جلد دوم)

زین العابدین نیت فاسد مختار سے واقف تھے۔ حضرت نے التماس مختار کی قبول نہ کی۔ پھر مختار محمد بن حنیفہ سے متوسل ہوا اور لوگوں کو ان کی طرف دعوت دینے لگا۔ اسی نے انہیں مہدی قرار دیا۔ اور مذہب کیسانیہ کو رواج دیا۔ (صفحہ ۲۹۱، ۲۹۲ جلد دوم)

محمد بن حنیفہ کی طرف ملا مجلسی نے یہ بہت بڑا جھوٹ منسوب کیا ہے محمد بن حنیفہ بہت بڑے عالم متبع سنت رسول اللہ اور بلند درجہ کے عابد و زاہد

انسان تھے - دراصل مختار نے زین العابدین سے مایوس ہو کر محمد بن حنیفہ کے ایک غلام کسان کو پکڑ کر اس کی آڑ میں فرقہ کیسانیہ کی بنیاد رکھی [1] - مذہب کیسانیہ کے لوگ محمد بن حنیفہ کو اپنا امام آخر جانتے ہیں -

(صفحہ ۲۹۲ جلد ۲)

(اور خود سیدنا محمد بن علی کو اس بات کی خبر تک نہ ہونے دی)

آج اسی مختار کو یہ نام نہاد محبانِ مزعومہ اہل بیت امیر مختار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں -

اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی

سیدنا معاویہ، سیدنا حسنؓ کی ہر شرط پوری کرتے ہیں - بے حساب مال و دولت عطا کرتے ہیں - مگر دنیائے رفض سے انہیں سوائے سب وشتم کے کچھ نہیں ملتا - ان کے مقابلہ میں مختار سیدنا حسن کو گرفتار کر کے مال و زر کے لالچ سے سیدنا معاویہ کے پاس بھیجنا چاہتا ہے - مگر وہ امیر مختار رضی اللہ عنہ ہے -

سیدنا حسینؓ کو ان کے لانے اور بلانے والے قتل کرتے ہیں - مگر وہ مومنین صادق ہیں اور امیر یزید آپ کے قتل پر افسوس کرتے ہیں - روتے ہیں، مال و زر عطا کرتے ہیں - علی زین العابدین کے بغیر دستر خوان پر نہیں بیٹھتے مگر انہیں ملعون کہا جاتا ہے - اور سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ حدیث مغفور کی موجودگی میں جاہل سُنی ملا بھی رفض کی ہمنوائی

[1] مختار کے تفصیلی حالات جاننے کے لئے میری تالیف حقیقت مذہب شیعہ کا مطالعہ کیجئے -

میں اس جرم عظیم کے برابر کے حصے دار ہیں - بلکہ دو ہاتھ آگے بڑھے ہوئے ہیں -

امیر یزید کے معاصرین میں سے تقریباً تین سو اجل صحابہ کرام کے نام تاریخوں میں موجود ہیں، ہزاروں تابعین جنکی جلالت شان پر تاریخ کے اوراق گواہ ہیں - اور پھر خود علی زین العابدین اور کربلا میں بچ جانے والے دوسرے اصحاب اور نصف درجن سے زیادہ خانوادہ علی کی خواتین بلکہ سیدنا حسینؓ کے بھائی محمد بن حنیفہ اور ان کے علاوہ عبادلہ ثلاثہ جیسے جلیل القدر اصحاب میں سے کوئی ایک بھی امیر یزید کے خلاف ایک لفظ نہیں کہتا - بلکہ امیر یزید کی وفات سے بعد ایک صدی تک جس قدر کتب لکھی گئیں - کسی مؤلف نے امیر یزید کے کردار پر نقطہ چینی نہیں کی سب سے پہلے یہ الہام ابی مخنف کو امیر یزید کی وفات کے تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد ہوا - اور ایرا غیرا اسے لے اڑا - اور ان کی روحانی ضربت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں رنگ بھرتی رہی اور آج اس کذب و بہتان کو ایک حقیقت کے طور پر بیان کیا جا رہا ہے - شیعوں کے ان مزعومہ آئمہ کے حالات اس سے قبل حقیقت مذہب شیعہ میں بالتفصیل بیان کر چکا ہوں - مگر چند ایک لطائف نے مجبور کیا - اور دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جو اصحاب حقیقت مذہب شیعہ جیسی ضخیم کتابوں کے مطالعہ کے لئے وقت نہیں نکال سکتے وہ اس مختصر کتاب کے ذریعے واقف ہو جائیں گے -

امام چہارم علی (زین العابدین)

ولادت ۳۶ یا ۳۸ ہجری - زمانہ امامت ۳۵ سال

وفات ۹۵ یا ۹۶ ہجری (جلاء العیون)

والدہ کا نام شہر بانو دختر یزدجرد بیان کرتے ہیں - جو بالکل غلط ہے
جلسی خود تسلیم کرتا ہے - کہ ایک کنیز نے زین العابدین کی پرورش کی -
حضرت اس کو مادر کہتے تھے - جب امام حسین شہید ہوئے - امام زین العابدین
نے اس کا نکاح ایک شیعہ مومن سے کر دیا (ایک امام کی ماں اور دوسرے
امام کی بیوی وہ تو امہات المومنین کے زمرہ میں آتی تھی - مگر امام نے اپنے
ایک شیعہ غلام کے حوالے کر دی -)

عبدالملک بن مروان نے حکم دیا کہ زین العابدین کو طوق و زنجیر میں گرفتار
کر کے مقام شام میں لائیں - (صفحہ ۲۱۴ جلد دوم)

امیر المومنین عبدالملک بن مروان کو کیا پڑی تھی جو ایک بے ضرر گوشہ
نشین عبادت گزار اور خلافت موقتہ کے پیچھے ہمدردی سے ایسا ناروا سلوک
کرتے -

۱ - اور پھر زین العابدین کی سگی پھوپھی خدیجہ بنت علی عبدالملک کے نکاح
میں تھیں -

(البدایہ ج ۹ صفحہ ۶۹ تاریخ الامت ج ۳ ص ۷
بنو ہاشم اور بنو امیہ کے تعلقات ص ۱۰۳)

۲ - زینب بنت حسین یعنی آپ کی چچا زاد بھی اسی عبدالملک کے نکاح
میں تھی - (جمہرۃ الانساب ص ۱ مقام بنو امیہ صفحہ ۱۴۱)

۳ - سیدہ بنت حسن مثنیٰ عبدالملک کے بھائی مروان کے نکاح میں تھی -
(جمہرۃ الالقاب ص ۸۰ - ۱۰۰ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے تعلقات
صفحہ ۱۰۵)

۴ - حمادہ بنت حسن مثنیٰ عبدالملک کے بیٹے اسماعیل کے نکاح میں تھی
(جمہرۃ الانساب صفحہ ۱۰۰ مقام بنو امیہ ج ۱ صفحہ ۱۴۱ -
بنو ہاشم اور بنو امیہ کے تعلقات صفحہ ۱۰۴)

۵ - رملہ بنت علی عبدالملک کے بھائی معاویہ کے نکاح میں تھی -
(جمہرۃ الانساب صفحہ ۸۰ مقام بنو امیہ ج ۱ صفحہ ۱۴۱ -
بنو ہاشم اور بنو امیہ کے تعلقات صفحہ ۱۰۳)

۶ - نفیسہ بنت زید بن علی یعنی زین العابدین کی سگی بھتیجی عبدالملک کے
بیٹے ولید کے نکاح میں تھی - اس نکاح کے بارہ میں عمدۃ المطالب کا
مصنف نے یوں بکواس فرما کر اپنا منہ کالا کیا ہے خرجت الی الولید یعنی
وہ ولید کے پاس بھاگ کر چلی گئی

لعنت لعنت لعنت کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے -

ان علوی شہزادیوں کا اس کثیر تعداد میں اموی سادات کے گھروں
میں ہونا کچھ ایسا نقشہ پیش کرتا ہے - کہ شاہی محلات میں تمام کی تمام علوی
شہزادیاں ہی تھیں - اور پھر یہی نہیں کہ اسی قدر علوی شہزادیاں اموی
شہزادوں کے گھروں میں تھیں - جن کی فہرست بہت طویل ہے - بلکہ اسی
طرح اموی شہزادیاں علوی شہزادوں کے ساتھ بیاہی گئیں تھیں - گو اموی

برسرِ اقتدار تھے۔ اور علوی ماسوائے چند ایک کے جنہوں نے وقتاً فوقتاً خروج کئے۔ زاہدانہ زندگیاں گزارتے تھے۔ مگر ان کے درمیان باقاعدہ سلسلہ مناکحت اور مصاہرت قائم تھا۔ اور علویوں کیلئے امویوں کے خزانوں کے منہ ہر وقت کھلے رہتے تھے۔ ان حالات میں ملا مجلسی کی یہ ژاژ خائی چہ معنی دارد کہ عبدالملک نے زین العابدین کو گرفتار کرا کے دمشق منگوایا۔

سنیئے مجلسی صاحب! عبدالملک نے گرفتار کرا کے انہیں دمشق نہیں منگوایا۔ بلکہ تمہارے شیعوں نے زین العابدین پر تمام زندگی عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ زین العابدین کے امیر یزید کے ساتھ گہرے دوستانہ مراسم تھے جو یزید کے مرنے تک قائم رہے اور جن کی مثال تاریخ کے صفحات میں بمشکل نظر آتی ہے۔

واقعہ حرہ کی اطلاع امیر یزید کو سب سے پہلے زین العابدین نے پہنچائی کہ مدینہ میں بغاوت ہوگئی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ امیر یزید نے مسلم بن عقبہ کو لکھ دیا تھا کہ خبردار زین العابدین یا اس کے کنبہ والوں کو قطعاً کوئی آزار نہ پہنچے۔ مسلم بن عقبہ جب تک مدینہ میں رہے زین العابدین اپنی گوشہ نشینی قناعت اور زہد کی وجہ سے ان کے پاس نہ گئے۔ مگر جب مسلم رخصت ہونے لگے تو الوداعی ملاقات کے لئے گئے۔ مسلم نے اٹھ کر تعظیم کی۔ اپنے پاس مسند پر بٹھایا اور کہا امیر المومنین نے آپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا تھا۔ یہ سن کر زین العابدین نے امیر کو دعائیں دیں۔ اور آپ کی زبان سے نکلا۔ صلی اللہ، امیر المومنین (طبقات جلد ۵ صفحہ ۲۱۵)

یحییٰ نامی ایک آدمی نے محمد باقر سے واقعہ حرہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا اس واقعہ میں کوئی ہاشمی نہ گھر سے نکلا نہ ہمارا کوئی آدمی نقصان

ہوا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۲۱۵)

یہی روایت اس سے زیادہ صاف لفظوں میں الامامۃ والسیاسۃ کے غالی شیعہ مصنف نے بھی بیان کی ہے۔

(جلد ۱ - صفحہ ۲۲۹)

اب سنیئے

اپنے شیعوں کے کرتوت اپنے امام چہارم کیساتھ

۱ - امام حسینؓ کی شہادت کے بعد ابو خالد، یحییٰ، جبیر، حرم امام حسینؓ کے بغیر سب مرتد ہو گئے۔ (مجالس المومنین مجلس پنجم صفحہ ۱۴۴)

۲ - شیعوں کے حضرت امیر مختار کے نزدیک امام وقت محمد بن حنفیہ است نہ کہ علیؓ بن حسینؓ (ایضاً)

۳ - زین العابدین کو شیعوں نے حسینؓ کی طرح شہید کرانے کے لئے گھیرا۔ مگر وہ ان کے قابو میں نہ آئے۔

اب آگے تذکرۃ الائمہ سے سنیئے۔ سب مل کر زید کی خدمت میں گئے۔ اور اس قدر عاجزی کی کہ زید آمادہ خروج ہوگئے۔

(ایضاً صفحہ ۱۳۰۸)

زید ان کے جھکمہ میں آکر خروج کر بیٹھے۔ مگر ان شیعوں نے جب ان کے سامنے صحابہ کرام کو گالیاں دینا شروع کیں اور زید نے منع کیا تو انہیں یکہ و تنہا چھوڑ دیا۔ آپ نے اسی موقع پر رافضتمونی فرمایا تھا۔ آگے مجالس المومنین کے مصنف کی زبان سے سنئے۔

ازیں جہت غبار ملال بر حاشیہ خاطر زید نشست و از بیوفائی کوفیان

تعجب نمود۔ (مجالس المومنین مجلس ۸ صفحہ ۳۶۰) آخر زید شہید ہو گئے۔

یہ ہے کیفیت امام چہارم کی امامت کی۔ مختار نے اپنے ساتھیوں سمیت محمد بن حنیفہ کو اپنا امام بنا لیا۔ جو باقی بچے انہوں نے زید کو امام بنا لیا۔ اب زین العابدین کی امامت کہاں گئی۔

الذین ضل سعیھم فی الحیوٰۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔

امام پنجم

نام محمد باقر۔ کنیت ابو جعفر۔ پیدائش ۵۷ ہجری
مدت امامت ۱۹ سال وفات ۱۱۴ ۱۱۶ ۱۱۷ھ ہجری

واقعہ کربلا کے وقت چار سال کے تھے۔

ہشام نے دمشق میں بلایا۔ ارادہ قتل کیا۔ پھر ہشام اٹھ کر بغلگیر ہوا۔ اور اپنی داہنی طرف بٹھایا۔ اور کہنے لگا زیبا ہے کہ قبیلہ قریش ہمیشہ عرب و عجم پر فخر کریں۔ (صفحہ ۳۲۹ ج ۲)

قطب راوندی نے بسند معتبر روایت کی ہے۔ کہ زید بن حسنؓ نے میرے پدر بزرگوار سے اوقات حضرت رسول میں مخاصمہ کیا۔ زید کہتے ہیں حضرت حسن چونکہ اولاد اکبر ہیں۔ اس لئے ان کا فرزند اولیٰ تر فرزند حسینؑ سے ہے۔

ایک روز زید میرے چچا کو قاضی کے پاس لے گئے۔ اثنائے خصومت میں میرے چچا کو کہا اے فرزند کنیز سندی! میرے چچا نے کہا۔ ایسی حضرت پر تف ہو۔ جس میں اسم مادراں لیا جائے۔ اب جب تک زندہ ہوں۔ تجھ سے کلام نہ کروں گا۔

(الخ صفحہ ۲۲۸ جلد دوم)

پس بحکم عبدالملک لعین نے زین کو گھوڑے پر باندھا۔ اور حضرتؑ سوار ہوتے اس زین کے اندر زہر رکھا تھا۔ اس زہر نے جسم مبارک میں نفوذ کیا.... جسم پہ ورم آگیا اور تیسرے روز مر گئے۔

(صفحہ ۲۳۱ جلد دوم)

دیگر علماء نے لکھا ہے۔ شہادت آنحضرت بحکم ابراہیم بن ولید واقع ہوئی تھی۔ اور بعضوں نے ہشام بن عبدالملک لکھا ہے۔ ملا مجلسی کیا اٹکل پچو ہانکے جا رہا ہے۔ اس کی تاریخ دانی کی حالت اس سے ہی ملاحظہ کیجئے۔ محمد باقر کی تاریخ وفات ۱۱۴ یا ۱۱۶ یا ۱۱۷ھ لکھتا ہے۔ مگر اسے اتنی معمولی سی بات بھی معلوم نہیں کہ ۱۱۴ یا ۱۱۷ میں کونسا خلیفہ متمکن تخت خلافت تھا۔ یہ تو تاریخ کے مقتدیوں سے بھی پوشیدہ نہیں اور پھر خبریں دیتا ہے لوح و قلم اور عرش و کرسی کی۔ پھر کبھی لکھتا ہے کہ محمد باقر عبدالملک کی دشمنی سے ہلاک ہوئے۔ پھر ابراہیم بن ولید بن عبدالملک یعنی پوتے تک جا پہنچا ہے۔ پھر ہشام پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ ارے جاہل تمہیں تو خلفائے امویہ کے نام بھی معلوم نہیں۔ اور اموی خلفاء تو در کنار تمہیں اپنے علویوں کے نام اور رشتے بھی معلوم نہیں۔ عبدالملک پہلے محمد باقر کو قتل کرنے کے لئے مدینہ سے دمشق بلاتا ہے۔ مگر جب قتل کرنے کا

ارادہ کرتا ہے تو ڈر کر انہیں اپنی مسند پر اپنے ساتھ بٹھا لیتا ہے۔

مسند پر بٹھانے کی بات سے ہمیں بھی انکار نہیں۔ چونکہ محمد باقر کی دس بارہ خالائیں اور پھوپھیاں اموی حریم خلافت کی زینت تھیں۔ دو علوی شہزادیاں خود عبدالملک کے نکاح میں تھیں۔ محمد باقر عبدالملک کے عزیز تھے۔ ہم نسب تھے یک جدی تھے۔ رہا ڈرنے کا معاملہ تو جس عبدالملک کے نام سے روئے زمین کے جابر و قاہر سلاطین اپنے اپنے محلات میں کانپ اٹھتے تھے۔ اس عبدالملک کے لئے ایک زاہد قسم کے گوشہ نشین کا قتل کرنا کونسا اہم مسئلہ تھا۔ کسی معمولی نوکر کو اشارہ ابرو کافی تھا۔

محمدؐ باقر اور اُن کے شیعہ

اب اپنے اس پانچویں مزعومہ امام کے متعلق اپنے گھر سے ہی اپنے شیعوں کے کرتوت بھی دیکھ لو۔

آپ کوفی شیعوں کی بے وفائی کی وجہ سے اپنے بھائی زید کا شہید ہونا دیکھ چکے تھے۔ بقول مجلسی چونکہ بقیہ اہلبیت کو شیعہ دنیا سے نیست ونابود کرنے کا ارادہ کر چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے امام باقر کو بھی حکومت کے خلاف خروج کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ عبداللہ بن عطا نے کہا۔ کوفہ میں آپ کے بہت شیعہ ہیں اور اس وقت آپ کا کوئی نظیر نہیں

(صافی شرح اصول کافی کتاب الحجۃ صفحہ ۱۱۴)

مگر آپ نے جواب میں فرمایا۔ ابن عطا ترا مے بینم کہ احمقاں گوش

میدہی بخدا سوگند یاد میکنم من صاحب شما نیستم۔

(بحار الانوار صفحہ ۱۹ جلد ۱۳)

یعنی ابن عطاء میں دیکھتا ہوں کہ تو احمقوں کی باتوں پر کان دھرتا ہے۔ خدا کی قسم میں تم لوگوں کا صاحب نہیں ہوں۔ (یعنی امامت سے ہی دستبردار ہو گئے۔)

زرارہ بن اعین سے اصول اربعہ شیعہ میں بیشتر حدیثیں مروی ہیں یہ صاحب بھی امام باقر کے اصحاب میں تھے۔ ایک دن اپنے امام کے متعلق گل افشانی فرماتے ہیں۔

شیخ لا علم لہٗ بالخصومۃ (اصول کافی)

یہ بڈھا خصم کے ساتھ بات کرنے کا علم ہی نہیں رکھتا۔ خلیل قزوینی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

ایں پیر بے دماغ شدہ نمید اند روش گفتگو باخصم

اقوال

آپ کے یہ ہیں امام پنجم اور آپ کے شیعوں کا یہ ہے ان سے سلوک۔ اس پر سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے۔

فی طغیانہم یعمھون :

امام ششم

نام جعفر کنیت ابوعبداللہ

سن پیدائش - ۸۰ / ۸۳ / ۸۶

سن وفات - ۱۴۸ ہجری

امام زین العابدین سے پوچھا گیا کہ بعد آپ کے کون امام ہے حضرت نے فرمایا محمد باقر کہ وہ علم کو شگافتہ کرنے والا ہے - پھر سوال کیا ان کے بعد کون امام ہے آپ نے فرمایا جعفر کہ ان کا نام آسمانوں کے باشندوں (آسمان کے باشندوں کی خوب کہی) میں صادق ہے - پوچھا ان کو خاص صادق کیوں کہتے ہیں - حالانکہ سب امام صادق ہیں - اور سچے ہیں حضرت نے فرمایا میرے پدر بزرگوار نے اپنے پدر نامدار سے اور انہوں نے اپنے جد عالی جناب رسول خدا سے روایت کی ہے - کہ آں حضرت نے فرمایا جب میرا فرزند جعفر بن محمد بن علی بن حسین متولد ہو اس کا نام صادق رکھنا اس لئے کہ اس کے پانچویں فرزند کا نام جعفر ہوگا اور دعوٰے امامت دروغ کر کے خدا پر افترا کرے گا - اور خدا کے نزدیک جعفر کذاب ہے (صفحہ ۴۳۳ جلد دوم)

آنحضرت نے پانچ شخصوں کو وصی کیا - خلیفہ محمد بن سلیمان حاکم مدینہ - عبداللہ، موسٰے اور حمیدہ مادر موسٰے کاظم کو (صفحہ ۴۴۳ جلد دوم)

تین کو وصی کیا

عبداللہ افطح - موسٰے کاظم - منصور دوانقی یعنی عباسی خلیفہ (صفحہ ۴۵۳ جلد دوم)

قطع نظر طویل گفتگو کے صرف اسی پر غور کر لیجئے کہ ایک جعفر پیدا ہی نہیں ہوا وہ کذاب بنا دیا گیا اور پہلے جعفر کو اس سے متشخص کرنے کے لئے صادق بنا دیا - یہاں خدا کو خوب بدا ہوا - اور امام زماں ایسا حواس باختہ ہے - کہ کبھی ایک کو وصی بناتا ہے کبھی پانچ کو اور کبھی تین کو جن میں سے ایک وہ ہے جو بادشاہ اس کے قتل کا ارادہ کر چکا ہے - اور امام اپنی امامت کے بل پر اس سے بچ جاتا رہا -

یہاں ایک اور غلط فہمی کا ازالہ نہایت ضروری ہے - جو کسی چانڈو خانے کی گپ ہے - کہ امام ابوحنیفہ امام جعفر (صادق) کے شاگرد تھے اس سے بڑا جھوٹ تاریخ میں آج تک نظر سے نہیں گزرا - امام ابوحنیفہ اور امام جعفر دونوں ہم عصر تھے - امام ابوحنیفہ اور امام جعفر ایام حج میں یا مدینہ میں ضرور ایک دوسرے سے ملاقات کرتے رہے ہوں گے - مگر علم و فضل میں جو مقام امام ابوحنیفہ کا ہمارے سامنے ہے - امام جعفر میں اس کا عشر عشیر بھی نظر نہیں آتا - پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے محمد الاقط المعروف نفس ذکیہ کے خروج میں اس کی مدد کی تھی - یہ پہلے جھوٹ سے بھی بڑا جھوٹ ہے - امام ابوحنیفہ ایک علمی آدمی تھے - اور وہ خوب جانتے تھے کہ صاحب امر اگرچہ فاسق و فاجر بھی ہو اس کی اطاعت واجب ہے

پھر وہ کیسے ایک سر پھرے باغی کی معاونت پر آمادہ ہو سکتے تھے[1]

سیدنا جعفر کے حالات ۳۳۴ سے ۳۴۶ صفحات تک پھیلے ہوئے ہیں۔ جن کا لب لباب اس قسم کا ہے کہ آپ کو فلاں خلیفہ نے قتل کرنے کے لئے بلایا۔ جب آپ اس کے دربار میں پہنچے تو وہ تخت سے اٹھ کر ننگے پاؤں آپ کے استقبال کے لئے دوڑتا ہوا آپ کے سامنے پہنچا۔ ہاتھ چومے۔ ماتھا چوما۔ ادب سے ہمراہ لیا۔ اور لا کر اپنے تخت پر بیٹھایا وغیرہ، وغیرہ۔

تقریباً تمام مزعومہ آئمہ کو اسی قسم کے واقعات پیش آئے۔ ملا مجلسی کے ان الفاظ میں جہلا کے لئے کوئی بات جاذب قلب و نگاہ ہو تو مضائقہ نہیں۔ مگر علم و فضل کے حاملین کے سامنے یہ پادر ہوا باتیں ملا نصر الدین کے لطائف سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔

لیجئے ہم مان لیتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا۔ مگر اپنے ان شیعوں کے لئے آپ کے معجزے اور کرامتیں کہاں چلی گئیں۔ جنہوں نے آپ کو زندگی کا ایک لمحہ بھی آرام کا نہ گزارنے دیا۔

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے سیرۃ ابو حنیفہ، مصنفہ پروفیسر سید علی احمد عباسی۔

شیعوں کا اپنے امام سے سلوک

- ابو مسلم شیعی نے جب بنو عباس حصول خلافت کے لئے کوشش کر رہے تھے۔ حضرت جعفر کو لکھا کہ آپ کے حقوق کے بازیافت کا یہی موقع ہے۔ مگر ادھر خط لکھا ادھر بنی عباس کی خلافت کو تسلیم کر لیا۔ حضرت جعفر نے اس کا خط نذر آتش کر دیا۔
- شیعوں کے اصدق الصادقین زرارہ نے زیاد بن ہلال سے کہا۔ بہ تحقیق جعفر نے مجھے استطاعت کا فتویٰ دیا۔ اور خود خبر نہیں۔ تمہارے اس امام کو لوگوں کا کلام سمجھنے کی بصیرت نہیں۔

(رجال کشی)

- یہی اصدق الصادقین فرماتے ہیں۔ رحمہ اللہ اباجعفر و اما جعفر فان فی قلبی علیہ لعنۃ اللہ
اللہ باقر پر رحم کرے۔ مگر جعفر پر تو میرے دل میں لعنت ہے

(شاباش شیعان علی را)

- ابو بصیر ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں گیا۔ مگر اندر داخل ہونے کی اجازت نہ ملی۔ تو کہنے لگا کہ میرے ساتھ طبق ہوتا تو ضرور اجازت مل جاتی۔ اس پر ایک کتا آیا اور ابو بصیر کے منہ میں موت گیا۔ (تنقیح رجال کشی صفحہ ۱۶۷)

یہ ابوبصیر وہی ہے جو روایت " وجود رسول وآل رسول قبل خلوق" کا راوی ہے۔ (صفحہ ۲۲ جلد ۲) اور جلاء العیون میں صفحہ ۸۸ جلد دوم پر اس کی ایک روایت ہے۔ اس کے علاوہ متعدد روایات اس کی طرف منسوب ہیں۔

• زرارہ کے بھائیوں کا ایک دفعہ آپ کے سامنے ذکر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔

واللہ مایرید بنواعین الا ان یکون نوا علی

(رجال کشی) خدا کی قسم اعین کے بیٹے بس مجھ کو مغلوب کرنا اور دبانا چاہتے ہیں۔

• ایک مرتبہ آپ نے زیاد بن ہلال سے کہا۔

لیس ھکذا سالنی ولا ھکذا قلت کذب علی

کذب واللہ علی لعن اللہ زرارۃ (رجال کشی)

زرارہ نے نہ اس طرح مجھ سے پوچھا نہ میں نے ایسا جواب دیا۔ اس نے مجھ پر جھوٹ باندھا۔ خدا کی قسم اس نے مجھ پر جھوٹ جوڑا۔ اللہ زرارہ پر لعنت کرے۔

• اسی طرح ابوابی ردو، کثیرالنوا، سالم بن ابی حفصہ آپ کے مخصوص اصحاب ہیں۔ مگر نا معلوم ان اصحاب نے اپنے امام کو کیا ایذا پہنچائی کہ امام صاحب کو ان کی تعریف ان الفاظ میں کرنا پڑی۔

کثیرالنوا وسالم بن ابی حفصہ وابوابی ردد کذابون مکذبون کفا علیہم لعنۃ اللہ (رجال کشی)

کثیرالنوا، سالم اور ابوابی ردد کذاب ہیں۔ مکذب ہیں۔ کافر ہیں ان پر خدا کی لعنت۔

امام جعفر کی شیعوں سے یہ بیزاری اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ ان لوگوں نے اپنی فطرت کسی حال میں بھی نہ بدلی۔ اور پھر ان کی دشمنیاں اپنے آئمہ سے قولی ہی نہ تھیں بلکہ عملی بھی تھیں۔

خلیفہ منصور عباسی جلاء العیون کے مصنف کی زبان میں دوانقی ہے، کافر ہے، منافق ہے، غاصب ہے۔ اور فاسق ہے۔ مگر بقول شوستری شیعہ تھا۔ شوستری کہتا ہے۔ منصور درمقابلہ او از زوال ملک بیند اظہار تشیع قولاً وفعلاً مے نمود۔ (مجالس المومنین)

اس کا حاجب ربیع بھی شیعہ تھا۔ شوستری اپنے امام کی زبان سے اس کے حق میں کہتا ہے۔ اے ربیع میدانم کہ تو میل بجانب ما داری (مجالس المومنین)

منصور اسی ربیع اور اس کے بیٹے محمد کے ذریعے (محمد بھی شیعہ تھا شوستری) ستر سالہ ضعیف کمزور وناتوان امام کو ننگے پاؤں اور ننگے سر گرفتار کرا کے دربار میں طلب کرتا ہے۔ (جلاء العیون)

مے بین الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

منصور کو مجلسی ملعون کہتا ہے اور شوستری شیعہ بیان کرتا ہے۔ معلوم نہیں یہ لوگ کس خمیر سے اٹھائے گئے ہیں۔ کہ آج تک یہ کسی معمولی سی بات سے لیکر بڑی سے بڑی بات پر بھی متفق نہیں ہو سکے

زین لکم بئس ما کانوا یعملون ؟؟

امام ہفتم

نام موسیٰ (کاظم) پیدائش ۱۲۸/۱۲۹
وفات ۱۸۱/۱۸۳/۱۸۶ ہجری
مدت امامت ۳۵ سال۔

ام ولد یعنی لونڈی کے بطن سے تھے۔ والدہ کا نام حمیدہ خاتون تھا۔ اس نکاح کا راوی بھی وہی ابو بصیر ہے جس کے منہ میں کتے نے موتا تھا۔ موسیٰ کی ولادت کا وقت قریب آیا تو حمیدہ نے پیغام بھیجا۔ آپ خیمہ میں گئے۔ اور واپس آ کر اپنے اصحاب سے فرمایا کہ جب وہ مولود زمین پر آیا۔ اپنے ہاتھوں کو زمین پر رکھ کر اپنا سر آسمان کیطرف بلند کر کے کہا۔

آپ نے فرمایا جس شب میرے جد بزرگوار کا نطفہ منعقد ہوا ایک فرشتے نے انہیں شربت خاص پلایا تھا اور کہا تھا اب مقاربت کیجئے۔ پس میرے جد بزرگوار کا نطفہ اس شربت سے منعقد ہوا۔ علیٰ ھذا القیاس تمام آئمہ اسی طرح پیدا ہوتے۔ میرے پاس بھی ایک فرشتہ شربت لایا تھا۔ میں نے پی کر حمیدہ سے مقاربت کی تھی۔ اسی وقت اس مولود کا نطفہ شکم حمیدہ میں منعقد ہوا۔ (صفحہ ۳۴۷ تا ۳۴۹ تلخیص)

اگر ایسے لطائف سے لطف اندوز ہونا مطلوب ہو تو اصل کتاب کی طرف رجوع کیجئے۔

بھتیجے کی چچا کیخلاف شکائیت

محمد بن اسماعیل آپ کے برادر زادہ نے بغداد کا قصد کیا۔ آپ نے اسے تین سو طلائی دینار اور چار ہزار درہم عنایت فرما کر کہا۔ میرے خون میں شریک نہ ہونا...... مگر اس نے ہارون کے دربار میں پہنچ کر چند امور اپنے چچا کی نسبت بیان کیے۔ ہارون نے اسے دس ہزار درہم دیئے۔ اسی جرم میں آپ کو محبوس کر دیا گیا۔

(صفحہ ۲۵۳، ۲۵۴ جلد دوم سے تلخیص)

موسیٰ کو دربار میں بلایا آپ کی داڑھی پر عطر ملا۔ دولت زر عطا کئے۔ حضرت نے فرمایا اگر غربائے فرزندان ابو طالب کا تزویج کرنا جس سے ان کی قطع نسل قیامت تک نہ ہو مجھے منظور نہ ہوتا۔ بہ تحقیق یہ مال قبول نہ کرتا (صفحہ ۲۵۵ ج ۲۔)

اپنے دشمنوں اور قاتلوں سے کیا کیا حیلے کر کے مال لیا جا رہا ہے اور یہ بھی کہا جا رہا ہے۔ کہ میرے جد جناب رسول خدا سے مجھے روایت پہنچی ہے کہ اطاعت بادشاہ جابر تقیہ کے لئے واجب ہے۔

(صفحہ ۲۵۷ جلد دوم)

(پھر حسینؓ نے تقیہ کیوں نہ کیا اور نو حصے دین تقیہ نہ کر کے کھو دیا)

خلیفہ بظاہر قتل نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے زہردار رطب کھلائے گئے

(۲۶۱ جلد ۲) موسیٰ (کاظم) کے حالات ۲۴۷ سے ۲۶۷ صفحہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اور سوائے اس لفظی تکرار کے کچھ نہیں کہ خلیفہ نے

قتل کرنے کے لئے بلایا مگر انعام دے کر رخصت کیا - کئی ملکوں سے لوگ
امام کے قتل کرنے کو بلائے مگر امام بچ جاتے رہے -

یہ داستان سرائی تو ہوئی دشمنوں کے سلوک اور کردار کے متعلق ،
مگر اپنوں کے متعلق مجھ سے سُن لیجئے - اور اس بات کو ذہن سے فراموش نہ کیجئے - کہ مصنف جلاء العیون جیسے حواس باختہ لوگوں کی تمام باتیں بے سند اور بے ربط ہیں اور امام نے کسی جگہ خلفائے وقت کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالا - اور خلفائے وقت نے اس بات کے باوجود یکہ ان کے سگے بھتیجے نے خلیفہ کے حضور شکایت کی - انہیں معاف کر دیا - مگر اپنے شیعوں کے متعلق آپ نے جو کچھ فرمایا اس سے چھٹکارا شیعوں کے بس کا روگ نہیں -

ان اللہ غضب علی الشیعۃ فخیرنی فی نفسی اوھم فو اللہ وقیلتھم بنفسی (اصول کافی از صفحہ ۱۵۹)

بہ تحقیق اللہ نے غضب نازل کیا شیعوں پر اور مجھ کو اختیار دیا کہ اپنی جان دوں یا شیعہ ہلاک ہوں - پس میں اپنی جان دیکر شیعوں کو بچاتا ہوں -

لو میزت شیعتی ما وجد تھم الا واصفۃ ولو امتحنتھم ما وجدتھم الا مرتدین !
(فروع کافی ۱۰۷ روضہ)

اگر میں اپنے شیعوں کو منتخب کروں تو نہ پاؤں مگر لسان اور اگر امتحان لوں تو نہ پاؤں مگر اسلام سے برگشتہ مرتد .

*

نہ معلوم خاتم المفسرین رئیس المحدثین حضرت علامہ ملا محمد باقر مجلسی صاحب کی تفسیر دانی اور رئیس المحدثی کی آنکھوں سے اصول کافی کی قسم کی کتابیں کیوں پوشیدہ رہیں - معلوم ہوتا ہے اس شخص نے کتاب لکھنے سے پہلے ہی دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جس قدر بدزبانی و بدکلامی و شنام دہی اور بہتان تراشی میں فرقہ مخالف کے خلاف چابکدستی اور چالاکی کر دوں گا - اپنا فرقہ کے لوگوں کا نامہ اعمال پوشیدہ رہے گا اس کو کیا معلوم تھا کہ کسی وقت ایسے لوگ بھی پیدا ہو جائیں گے - جو شیعیّت کے کونے کھدروں تک سے ان کی اسلام دشمنی کا روائیوں کو منظر عام پر لا کر رکھ دیں گے - پھر بھاگتے بنے گی نہ چھپتے -

بل بدا لھم ما کانوا یخفون من قبل

امام ہشتم

نام موسیٰ رضا۔ تکتم یا نجمہ لونڈی کے بطن سے پیدا ہوئے۔

خاتم المفسرین صاحب نے آپ کے حالات بیس صفحات میں پھیلائے ہیں۔ یعنی ۳۶۸ سے ۳۸۸ تک جن کا لبِ لباب یہ ہے کہ مامون نے آپ کو بلا کر اپنا داماد بنایا اور آخر زہر آلود انگور کھلا کر شہید کر دیا۔ ان صفحات میں مامون کا نام جہاں بھی لکھا ہے اس کے ساتھ لعین ضرور لکھا ہے۔

یہ صرف مجلسی کے متعلق ہی نہیں بلکہ تمام شیعہ مفسرین، محدثین اور مورخین کے متعلق علی رؤس الاشہاد یہ کہنے میں آپ نے آپ کو حق بجانب پانے میں ذرا سی ہچکچاہٹ بھی محسوس نہیں کرتا۔ کہ ان لوگوں کے سامنے دوست و دشمن، اپنے اور بیگانے، اچھے اور برے ایماندار اور منافق کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ ایک اٹھتا ہے وہ اسی سانس میں علی کو رب الارباب کہتا ہے اور دوسرے سانس میں جو برے سے برا لفظ اس کے علم میں ہے آپ پر چسپاں کرتے ہیں، ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ حسن، حسین، محمد باقر، جعفر، موسیٰ کاظم، سب سے ان کا تعلق اسی قسم کا دو رُخا رہا۔ تولاً تو انہوں نے دشنام طرازی کے ساتھ ساتھ ہمدردی اور مدح و تعریف کا وظیفہ بھی جاری رکھا مگر جہاں عمل کا وقت نہیں آج کسی تاریخ میں ایک سطر بھی نہیں ملتی

کہ انہوں نے اپنے آئمہ سے عملاً کوئی ہمدردی کی ہو۔

اب سنیئے! مامون کون تھا۔ تمام تاریخیں اس بات کی شاہد اور گواہ ہیں کہ مامون عقیدۃً معتزلی تھا۔ خلق قرآن کے مسئلے میں اس نے بڑے بڑے زعمائے وقت اور آئمہ عظام کو کوڑے لگوانے اور جیل میں ڈالنے سے بھی گریز نہ کیا۔ اس کا دربار علماء، فضلاء سے بھرا رہتا تھا۔ وہ اس وقت تمام دنیا کا واحد حکمران تھا۔ جس کے حضور میں قیصر روم کے سفراء بھی پہنچکر بھی اپنے حواس کھو بیٹھتے تھے بظاہر اس کے دربار میں اظہار خیال کی آزادی تھی۔ مگر وہ اپنے عقائد کے مخالفین کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ موسیٰ رضا ایک زاہد، مسکین طبع، حکومت کا وظیفہ خوار اور پرامن گوشہ نشین فقیر منش آدمی تھا۔ موسے جیسے ایک گوشہ نشین سے مامون کو کیا خطرہ تھا کہ وہ اسے قتل کرنے کے لئے پہلے اپنی لڑکی کا اس سے عقد کر دیتا ہے۔ پھر اسے چوروں کیطرح زہر آلود انگور کھلا کر مار ڈالتا ہے۔ یہ گپیں احمقوں کی دنیا کے رئیس الحمقاء ہی تراش سکتے ہیں۔ اور ان پر یقین کرنے والے ان جیسے ہی احمق ہو سکتے ہیں۔ ورنہ صاحب ادراک تو ایسی لایعنی باتوں کو سننے کے لئے بھی تیار نہیں۔ اور ان گپوں کے خالق۔

یحملون اوزارھم علیٰ ظہورھم الاساء ما یزرون

ملا باقر جلاء العیون میں مامون کو ملعون ملعون لکھتے ہوئے تھکتا ہی نہیں۔ مگر اس ملا کے علاوہ اس حمام میں اور بھی چند موجود ہیں

اور وہ سب ملا صاحب کے ملعون مامون کے مداحی ہیں رطب اللسان ہیں۔ اسی بات پر اگر شیعہ لوگ چند لمحات کے لئے غور و فکر کریں۔ تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ مامون کی اصل پوزیشن کیا تھی۔ ملا اسے کیا کہہ رہا ہے اور دوسرے شیعہ زعمار اسے کیا کہہ رہے ہیں۔

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا۔ بھان متی نے کنبہ جوڑا

ملا شوستری اپنی شہرہ آفاق تالیف مجالس المومنین میں بحوالہ احتجاج طبرسی بذیل عنوان ذکر ملوک نامدار و سلاطین کا معاً از فرقہ ناجیہ اولی البصائر و الابصار لکھتا ہے۔

ایک روز مامون نے اپنے اصحاب سے کہا جانتے ہو میں نے مذہب شیعہ کس سے سیکھا۔ لوگوں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا میں نے مذہب شیعہ اپنے والد ہارون سے سیکھا۔ لوگوں نے کہا۔ کیونکہ وہ تو اہلبیت کو قتل کرتا تھا۔ مامون نے کہا ان کو صرف ملک کے لئے قتل کرتا تھا۔ کیونکہ اس میں غیر کی شرکت نہیں۔

پھر یہی مجلسی کتاب عیون الاخبار الرضا و کتاب الطرائف کے حوالہ سے رقمطراز ہے کہ مامون نے چالیس مخالف اہل علم کو اس بحث کے لئے کہ خلیفہ برحق بعد پیغمبر کون تھا۔ جمع کیا اور ان سے مناظرہ کر کے ثابت کیا کہ حضرت علیؑ پیغمبر کے وصی اور خلیفہ برحق ہیں۔ دوسرے لوگ غاصب ہیں۔ .... اور اس کے زمانہ میں جن و انس کے امام برحق اور خلیفہ مطلق علی بن موسیٰ الرضا ہیں۔ مامون کا حاجب صبیح دیلمی بھی شیعہ تھا۔ جس نے تیس آدمی ہمراہ لے کر سوتے میں امام کو قتل کر دیا۔ ان ! الا مفترون

مگر صبح کو معلوم ہوا کہ امام زندہ ہیں (جلاء العیون صفحہ ۳۷۷ جلد دوم)

امام نہم

نام محمد لقب تقی ولادت ۱۹۵ ہجری

وفات ۲۲۰ ہجری مدت امامت ۱۸ سال

آپ بھی ماشاء اللہ سبیکہ نامی ایک لونڈی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ بعض شیعوں نے بسبب صغر سنی کے آپ کی امامت سے انکار کیا۔

(جلاء العیون صفحہ ۳۹۰ جلد دوم)

ایک روز آپ کھیل رہے تھے۔ کہ مامون اس راستے سے گزرا سب لڑکے بھاگ گئے آپ کھڑے رہے مامون نے پوچھا تم نہیں بھاگے حضرت نے جواب دیا یہ گمان نہیں کہ تم کس کو بے جرم عقوبت کرو...

پس حضرت کو بلا کر ام الفضل اپنی دختر کا آپ سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ بنو عباس معترض ہوئے مگر مامون نے کوئی پرواہ نہ کی پس مامون ملعون نے اسی مجلس میں اپنی دختر ام الفضل کا تزویج آنحضرت سے کر دیا۔ اور بہت سا مال دیا۔ ام الفضل ملعونہ اس وجہ سے حضرت کی طرف متوجہ نہ ہوتی تھی کہ حضرت اور عورات کی طرف متوجہ ہوتے تھے (یاد رہے کہ حضرت کی عمر اس وقت صرف گیارہ سال تھی۔ شائد ان حضرت صاحب کی سنت پر واجد علی شاہ لکھنوی عمل کرتا رہا) وہ باپ سے شکایت کرتی تھی۔ کہ حضرت والدہ علی نقی کی طرف زیادہ توجہ کرتے ہیں۔ ۲۱۸ھ میں مامون بعذاب الہیٰ داخل جہنم ہوا۔ اس کے بعد معتصم خلیفہ بنا اس نے حضرت کو بغداد طلب کیا۔ حضرت نے بوقت

ردانگی علی نقی کو اپنا وصی مقرر کیا۔ ۲۲۰ھ کو آپ بغداد پہنچے۔ اور زہر سے شہید کئے گئے۔ بعض علماء کہتے ہیں۔ کہ واثق باللہ نے آپ کو شہید کیا ام الفضل بھیک مانگتی ہوئی مرگئی۔

حضرت بغداد پہنچے تو خلیفہ نے شربت حماض بھیجا جس میں زہر تھا پی کر شہید ہوئے۔ ایک چور کو خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ بعض نے کہا اس کا ہاتھ گٹے سے کاٹنا چاہیئے۔ بعض نے کہنی کے قریب سے کہا۔ حضرت نے فرمایا صرف چار انگلیاں کاٹ دو۔ اس پر ہنگامہ ہوگیا کہ انگلیاں کاٹنے کا حکم دینے والا کون ہے۔ آخر خلیفہ کے ایک وزیر نے خلیفہ کے ایما سے آپ کو کھانے میں زہر دے کر مار ڈالا۔

ملا بےچارے کو یہ بھی معلوم نہیں کہ شربت میں زہر تھا۔ یا ام الفضل نے زہر دیا یا وزیر کے گھر زہر دیا گیا۔ اس بات پر ہی دیگر باتوں کا اندازہ لگا لیجئے۔ اور پھر اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ معتصم کے حکم سے زہر دیا یا واثق کے حکم سے۔ وہ اس بات سے بھی بے خبر ہے کہ چوری کی سزا کے لئے ہاتھ کہاں سے کاٹا جاتا تھا۔ اس نے اس واقعہ کو ایسے انداز میں بیان کیا جیسے یہ کوئی بالکل عجیب اور نرالا واقعہ تھا۔ پھر قطع ید کا حکم قاضی کے دربار سے ہوتا تھا۔ خلیفہ کے پاس ایسے معمولی مقدمات کے آنے کا کیا مقصد۔ مگر ملا صاحب کی بے علمی، بے خبری ان سے ہر وہ بات کہلواتی چلی گئی۔ جس سے وہ کسی نہ کسی طرح اپنے امام کو۔۔۔ علام الغیوب ثابت کر سکتے۔

امام دہم

نام علی نقی - ولادت - ۲۱۲ یا ۲۱۴ ہجری

مدت امامت ساڑھے تینتیس سال - وفات

آپ بھی ماشاءاللہ لونڈی زادہ تھے۔ ماں کا نام سمانہ مغربیہ تھا

محمد بن عبداللہ حاکم مدینہ نے متوکل لعین کو لکھا کہ علی نقی کو یہاں سے بلا لو ورنہ یہاں فساد ہو جائے گا۔ حضرت نے بھی متوکل کو خط لکھا اس نے محمد بن عبداللہ کی بجائے محمد بن فضل کو مدینہ کی گورنری تفویض کی۔ پھر اس نے ابراہیم بن عباس کو لکھا حضرت کو بغداد پہنچا دو۔ جب آپ بغداد پہنچے تو متوکل شقی نے آپ کی ہلاکت میں بہت کوشش کی۔ مگر کامیاب نہ ہوا تو آپ کو سرمن رائے میں بھیجدیا۔

ایک روز متوکل نے کہا قسم بخدا میں اس کو ضرور قتل کروں گا۔ وہ دعوائے دروغ کر کے میری حکومت اور دولت میں رخنہ اندازی کرتا ہے یہ کہہ کر چار غلام ترکی تیار کئے۔ کہ جب حضرت آئیں اور میں اشارہ کروں تو قتل کر دینا۔ جب حضرت دربار میں پہنچے تو وہ ملعون تخت سے اتر کر حضرت کے استقبال کو دوڑا اور بڑی تعظیم و تکریم کی۔

متوکل کے سامنے ایک شخص نے شکایت کی کہ حضرت نے بہت مال اور ہتھیار جمع کئے ہیں۔ اس نے سعید کو تلاشی کے لئے بھیجا۔ کچھ نہ ملا۔ پھر متوکل نے برکتہ السباع میں داخل کر دیا۔ یعنی شیروں اور چیتوں کے باڑے میں ڈال دیا۔ سب نے اپنے منہ حضرت کے پاؤں پر رکھ دیئے۔

معلوم نہیں ملا مجلسی ایسی ویسی داستان سرائی سے کیا تاثر پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس وقت کے خلفاء کو ایسا ہی کمینہ، کم ظرف بزدل اور مکار سمجھتا ہے۔ کہ وہ ان "حضرتوں" کو چوروں کی طرح قتل کرنے کے منصوبے بناتے ہیں۔ مگر کامیاب نہیں ہوتے۔ پھر انہیں انعام دیتے ہیں۔ یہ حضرات بار بار گھروں میں اسلحے بھی جمع کرتے ہیں۔ مگر جب تلاشی ہوتی ہے بزور کرامت تمام اسلحہ گم ہو جاتا ہے۔ اور یہ تقیہ کی ردا اوڑھ کر غبن ہو جاتے ہیں۔

فهم عن ذکرهم معرضون

گیارہواں امام

نام حسن عسکری ولادت $\frac{۲۳۱}{۲۳۲}$ ھ

وفات ۲۶۰ ھ مدت امامت

ان صاحب کا سب سے بڑا کمال یہ ہے۔ کہ ان کے بعد امامت کا زمانہ غیوبت شروع ہوتا ہے۔ اور ظاہر امام ختم ہو جاتے ہیں۔

تو بیرون درچہ کردی کہ درون خانہ آئی

یہ بھی سوسن یا سلیل نامی ایک لونڈی کے بطن سے تھے۔۔۔ راوی بیان کرتا ہے کہ سب لوگ ان کو بنی ہاشم پر مقدم رکھتے تھے۔ اور فضیلت دیتے تھے۔ اور کہتے تھے وہ امام رافضیوں[1] کے ہیں۔ ایک شخص نے اہل مجلس سے سوال کیا کہ ان کے برادر جعفر کا کیا حال تھا۔ اس نے کہا جعفر کون ایسا تھا کہ اس کے حال سے کوئی سوال کرتا۔ یا اس کا نام حسن عسکری کے نام کے ساتھ لیا جاتا۔ واضح ہو کہ جعفر ایک مرد فاسق و فاجر و شراب خوار و بدکردار تھا۔ اور مثل اس کے رسوا اور بے عقل اور بدکار کوئی دوسرا میں نے نہیں دیکھا۔ (حیرانی کی بات یہ ہے۔ کہ آج ساٹھویں پینسٹھویں پشت میں فاطمیت سے اپنا شجرہ جاکر ملانے والے تو بھنگ پییں، بھنگڑے ڈالیں، ڈاڑھیاں منڈائیں، لٹیں رکھیں۔ گلیوں میں مست سانڈوں کی طرح ڈکارتے پھریں۔ مگر "آلِ نبی اولادِ علی" کہلانے

[1] پوستی صاحب توجہ کریں۔

کی وجہ سے مستجاب الدعوات اور صاحب راز سمجھے جائیں - مگر چند پشتوں
کے واسطے سے فاطمہؓ تک پہنچنے والا دس آئمہ کے صلب میں پرورش
پانے والا اس قدر بدکار قرار دیا جائے -)

اصل میں اس جعفر غریب کا جرم صرف یہ تھا کہ اس نے شیعوں کی
ہمنوائی میں اس عظیم دروغ گوئی میں ان کا ساتھ نہیں دیا تھا - جو قائم
آل محمد کی اصطلاح کے روپ میں وضع کی گئی تھی - جعفر نے ان کے جھوٹ
کا بھانڈا اس طرح چوراہے میں لا کر پھوڑا کہ آج تک شیعان علیؓ
اس زخم کو چاٹ رہے ہیں - مگر مندمل ہونے میں نہیں آتا -

ان عقل کے اندھوں کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ نبی کی وفات کے
بعد تین چار مومن رہ گئے - حسنؓ کے مرنے پر سب مرتد ہو گئے - حسینؓ
کی شہادت پر چار مومن باقی رہے - پھر کئی دور ایسے آئے کہ ایک بھی
نظر نہ آیا - اور اللہ کو ان کی حرکات پر بار بار غصہ آتا رہا ہے - پہلے
قائم آل محمد کے ظہور کا زمانہ ستر ہجری قرار دیا - مگر ناراض ہو کر ۱۴۰ھ
کر دیا - پھر ناراض ہو کر شیعوں کو اندھے کنوئیں میں دھکیل دیا - یہ
عجب خدا ہے جسے یہ معلوم ہی نہ ہو سکا - کہ ساٹھ یا ستر ہجری میں
تمام مومنین عظام اس قسم کی بد فعلیاں کریں گے کہ مجھے غصہ آ جائے گا -
اور ۱۴۰ سال کی دوڑ لگائی - مگر وہاں پہنچکر پھر اللہ جی کا دعوٰے پھُس
ہو گیا اور یہ بھی اچھی رہی کہ اگر ستر یا ۱۴۰ سال کے وعدوں کے مطابق
امام قائم آل محمد نزول فرما ہو جاتے - تو باقی آئمہ کہاں جاتے - ملا
مجلسی جیسے رئیس المحدثین ان کی طرف یہ لطائف کیسے منسوب کرتے
اور ۱۴۰ سال کے بعد اللہ جی نے یہ فرمایا کہ جب تک تمہاری تعداد

۳۱۳ پوری نہیں ہو گی قائم آل محمد نزول اجلال نہیں فرمائیں گے - میں
تو کہتا ہوں کہ ۳۱۳ کے معاملہ میں بھی اللہ جی کو بداء ہو گیا ہے - جب
ایک وقت ایک شیعہ بھی باقی نہ رہا تھا اور سنی اگر شیعہ شود حکم کا فراصلی
دارد پھر شیعہ کہاں سے آئیں گے - خواہ مخواہ قائم آل محمد کسی غار
میں چھپ کر ۳۱۳ کا انتظار کر رہے ہیں - معلوم ہوتا ہے انہیں
بھی بداء ہو گیا ہے - واہ رے میرے شیعہ دوستو !

ذرا عقل سے کام لو اور ہوش کرو - کیوں اپنی فریب
خوردگی میں عوام کالانعام کو اپنے فریب کا شکار بنا کر اپنی عقبیٰ کے
ساتھ ان کی عقبیٰ بھی تباہ کرتے ہو -

یحملون اوزارهم علی ظهورهم الا ساء ما یزرون

خیر ! لیجئے اب قائم آل محمد کی پیدائش کا افسانہ بھی مجلسی جی کی
زبان سے سن لیجئے -

خلیفہ ملعون نے فرزند سعادتمند امام حسن عسکری کے تفحص
میں کوشش کی اور ملازموں کو حکم دیا کہ حضرت کا مکان گھیر لیں -
اور سب حجروں میں تلاش کریں - شاید پا جائیں - اور عورات قبیلہ
کو بھیجا کہ کنیزان امام حسن عسکری کی تفحص کریں - کہ مبادا ان میں
سے کسی کو حمل ہو - ایک عورت نے کہا ایک کنیز حضرت میں احتمال
حمل ہے - خلیفہ نے تحریر کیا خادم کو اس کنیز پر موکل کیا جائے
کہ جو پائے حال رہے -

(جلاء العیون صفحہ ۴۰۸ جلد دوم)

جس کنیز پر احتمال حمل تھا - دو سال تک اس کے جویائے احوال رہے
مگر کچھ اثر نہ ہوا - پس موافق روایات اہلسنت میراث آنحضرت درمیان
مادر جعفر کذاب کہ برادر حسن عسکری تھا - تقسیم کی - اور اس کی ماں
مدعیہ تھی کہ میں اس کی وصیہ ہوں اور قاضی پاس اس نے ثبوت بھی
بہم پہنچایا (صفحہ ۲۰۹ جلد دوم)

لیکن خلیفہ ملعون پھر بھی تفحص احوال صاحب العصر کرتا - اور تلاشی
سے باز نہ آتا تھا - (صفحہ ۲۰۹ جلد دوم)

امام علی نقی نے ایک خط بزبان فرنگی لکھ کر دو سو اشرفیاں دیکر کافور
کو بغداد کے پل پر بھیجا - وہ ایک لونڈی خرید کر لایا - حضرت نے اپنی
بہن حکیمہ کو کہا یہ لونڈی امام حسن عسکری کے حوالے کر دو - ایک
روز حسن عسکری کے گھر تھی - حضرت نے کہا پھوپھی آج یہیں قیام
کرو اس شب وہ فرزند گرامی متولد ہوگا - جس کے سبب سے خدا
وند عالم زمین کو پھر ایمان وہدائیت سے زندہ کرے گا - میں نے
کہا نرجس میں تو کوئی آثار حمل نہیں - حضرت نے فرمایا - دیکھتی جاؤ
..... امام العصر پیدا ہوئے - امام حسن عسکری آئے تو بیٹے
نے باپ کو سلام کیا - چند روز میں وہ پسر دو سال کا ہو گیا -
اور چند روز بعد جوان ہوگیا -

اس داستان سے چند امور مستنبط ہوتے ہیں - جعفر کو شیعہ
اس لئے کذاب کہتے ہیں کہ اس نے حسن عسکری کے متعلق کہا کہ
اس کے کوئی بیٹا نہیں - دوسرے یہ بات توجہ طلب ہے کہ خلفاء
وقت کو اس کرید کی کیا ضرورت تھی - ۲۵۵ھ معتمد باللہ عباسی

کے زمانہ میں آپ کی پیدائش بیان کی جاتی ہے - ان ائمہ کے زمانہ میں،
حسین بن علی سے لے کر ۲۵۵ھ تک جو بارھویں امام کا سال پیدائش ہے
۳۶ علویوں نے مختلف وقتوں میں خروج کئے - جن میں سے چار نے بشمول
حضرت امام حسین امویوں کے زمانہ میں خروج کیا - اور ۳۲ نے عباسیوں
کے زمانہ میں - ان میں چند ایک تو سر نکالتے ہی کچلے گئے مگر چند ایک
نے خوب ہڑبونگ مچائی اور آخر اپنے کیفر کردار کو پہنچے ان میں سے
حسین الافطس ۱۹۹ھ، علی بن حسین الافطس محمد بن جعفر (صادق) تو
ایسے بدکردار تھے - کہ چند روزہ بغاوت کے زمانہ میں کعبہ کے ستونوں
تک سے سونا اتار لیا - لوگ ان کے ظلم سے چیخ اٹھے اور مکہ چھوڑ کر بھاگ
نکلے - شیعہ مورخ مصنف عمدۃ المطالب نے داخلہ مال کعبہ صفحہ ۲۲۸
لکھ کر ان کی بدکرداریوں کی تصدیق کی ہے -

موسیٰ بن جعفر کو شیعہ خود زید النار کہتے ہیں - اسے اہواز کی گورنری
ملی تو اس نے وہاں پہنچکر عباسیوں کا قتل عام شروع کر دیا اور ان
کے محلات جلا دیئے

(عمدۃ المطالب صفحہ ۲۰۸)

حسن بن زید نے المستعین کے زمانہ میں قتل وغارت کا بازار گرم
کیا - سب صحابہ شروع کیا - عربی نام تک ترک کر دیئے -

(عمدۃ المطالب - مقاتل الطالبین صفحہ ۱۱۹)

اسماعیل بن یوسف بن ابراہیم نے ۲۵۱ میں بغاوت کی - کعبہ
کا وقفی خزانہ تک لوٹ لیا - لوگ مسجد نبوی میں ادائے فریضہ سے بھی
رک گئے - (طبری ج ۱۱ صہ ۱۳۶ - عمدۃ المطالب وغیرہ)

الاخضر محمد بن یوسف نے ۲۵۲ میں خروج کیا۔ وہ بھی قتل وغارت اور فساد میں اپنی مثال آپ نکلا (عمدۃ المطالب صفحہ ۹۲)

یہ چند ایک نام اس لیے پیش کئے گئے ہیں کہ امویوں اور عباسیوں نے تو ان لوگوں پر بھی ظلم نہیں کیا جو بار بار ان کے خلاف خروج کرتے رہے۔ صرف وہی قتل ہوئے جو میدان جنگ میں سامنے آگئے۔ ورنہ جس نے ہتھیار پھینک دیئے اسے صرف امان ہی نہ دی گئی بلکہ بے حساب مال دے کر رخصت کیا[1] مگر ان زاہد قسم کے علویوں سے عباسیوں کو کیا ڈر تھا۔ جو دینی اور علمی قسم کے گوشہ نشین سے لوگ تھے۔ یہ سب رافضیوں کا بہتان افترا، اور عظیم جھوٹ کا پلندہ ہے۔ پھر اسی بات کو دوسرے انداز میں دیکھئے عباسیوں کے حرم میں درجنوں علوی شہزادیاں تھیں۔ ان کی موجودگی میں بلاوجہ کسی مسکین علوی پر ظلم کا بیان کرنا شیطانی ذہانت کی اختراع ہی کہی جا سکتی ہے۔

۱۔ فاطمہ بنت عبد اللہ بن جعفر (صادق) عباس بن عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد الامام بن علی بن عبد اللہ بن عباس کے نکاح میں تھیں۔ عباس کے مرنے کے بعد فاطمہ نے علی بن اسماعیل بن جعفر (صادق) سے نکاح کیا۔

۲۔ خدیجہ بنت عمر بن علی زین العابدین محمد بن ابراھیم الامام بن محمد عباسی کے نکاح میں تھیں۔ (جمہرۃ الانساب صہ ۴۸)

۳۔ یحیٰ بن عمر بن یحیٰ بن حسین بن زین العابدین جس نے ۲۵۰ میں

---

[1] تفصیل کے لئے حقیقت مذہب شیعہ دیکھئے۔

خروج کیا۔ اس کے دادا کی بہن یعنی زین العابدین کی سگی پھوپھی [illegible] باللہ عباسی کے نکاح میں تھیں۔

۴۔ ام کلثوم بنت حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل پہلے خلیفہ عباسی عبد اللہ کے نکاح میں تھی۔ اسی حسن بن زید نے ۲۵۰ میں خروج کیا اور عباسیوں کے شعار سیاہ لباس کو رواج دیا۔

۵۔ ام موسیٰ یا ام الحسن بنت زین العابدین بھی عبد اللہ عباسی کے نکاح میں تھی۔

۶۔ فاطمہ بنت زین العابدین داؤد عباسی کے نکاح میں تھی۔

۷۔ ام الحسین بنت زین العابدین ابراہیم بن محمد بن علی بن عبد اللہ عباسی کے نکاح میں تھی۔ (ملخص نسب قریش صہ ۶۲)

ان مصاہرانہ تعلقات کا استیعاب طویل وقت کا مقتضی ہے۔ اسے مشتے نمونہ از خروارے سمجھئے۔ اور ایک بار پھر صفحات گذشتہ پر برنگ بازگشت ڈالئے۔ امویوں یا عباسیوں کے مزعومہ آئمہ کی داستانیں صرف کذب و دروغ باقی کا پلندہ نہیں۔ بلکہ افتراء و بہتان کی بھونڈی اور سوقیانہ انداز کی کوششیں ہیں۔ اموی اور عباسی خلفاء اپنی بلند کرداری، عالی حوصلگی، سخاوت و بخشش، جود و کرم، عطا و بخشش درگزر اور عفو میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کے سامنے بیسوں علوی باغی پابند دار و رسن ہو کر پہنچے۔ انہوں نے انہیں صرف معاف ہی نہیں بلکہ مال و دولت کے ڈھیروں کے ڈھیر دیکر رخصت کیا۔ مگر ملا مجلسی جیسے تاریخ سے بے بہرہ لوگوں مجوسیت اور یہودیت کی وکالت میں عوام کو دین سے برگشتہ کرنے کے لئے جو دل میں آیا قلم کے ذریعے قرطاس پر بکھیرتے رہے۔

بنات الرسول کے مکتوب مفتوح کے سلسلہ میں بجائے مجھ سے گفتگو کرنے کے چند جغادری قسم کے شیعہ زعماء نے اپنے عقیدتمندوں کے سامنے اپنی ساکھ قائم رکھنے کیلئے مجھے جاہل، شریر، اور خبیث قسم کے القابات سے نوازنے کی کوشش فرمائی ہے ۔ میں ان کی ان کوششوں کی بھی کسی وقت ضرور داد دوں گا ۔ فی الحال اب جو کچھ ان کے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے ۔ اس کی طرف توجہ فرمائیں ۔

انشاء اللہ

اصول کافی کے ذریعے اگلی نشست میں ان کی صحبت سے مستفیض ہونے کی کوشش کروں گا ۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

حرفِ آخر

سیدنا حسینؓ کے علاوہ ۶۵ علویوں نے مختلف وقتوں میں خروج کئے سب سے پہلے زیدؒ بن علی بن الحسین نے ۱۲۲ھ میں ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں کوفہ میں خروج کیا اور سب سے آخر میں عبداللہ بن عبیداللہ بن علی بن حسین بن علی بن الحسین بن زین العابدین نے ۳۵۸ ہجری میں شام میں امیرالمومنین المطیع باللہ عباسی کے زمانہ میں خروج کیا گویا ۲۳۶ سال میں امویوں اور عباسیوں کے خلاف ایک ہی خاندان کے ۶۵ افراد نے خروج کیا ۔ یعنی تقریباً ہر ساڑھے تین سال کے بعد خروج ہوتا ہے ۔ ان میں سے بعض خروج کرنے والوں نے ایسی بری حرکات کیں اور اس قدر قتل و غارت کا بازار گرم کیا کہ لوگ چیخ اٹھے ۔ مگر سادات امویہ اور سادات عباسیہ کی عالی حوصلگی ، بلند اخلاقی ، عفو و کرم ، جود و احسان اور درگزر و عفو کی داد دینا پڑتی ہے ۔ کہ انہوں نے علویوں کی ہر بغاوت کے بعد ہر شرارت کے بعد ہر غدر و فریب کے بعد انہیں نہ صرف عطیات سے نوازا بلکہ بعض کو بڑے بڑے عہدے بھی تفویض کئے ۔ مگر یہ لوگ ایسے بدطینت ، بدخصلت ، بداعمال ، احسان فراموش اور شریر الطبع ثابت ہوتے رہے ۔ کہ اتنی عنایات کے باوجود اپنی حرکتوں میں باز نہ آئے ۔ ملا مجلسی بار بار جن لوگوں کو ملعون ملعون کہتے نہیں تھکتا ۔ وہ تو اس کے آئمہ اور ان کے خاندان والوں کے محسن تھے ۔ مجلسی کہتا ہے کہ فاطمیوں کی

اولاد کو زندہ دیواروں میں چنوا دیا جاتا رہا۔ اس عقل کے اندھے سے کوئی پوچھے۔ اگر سوا دو سو سال تک اموی یا عباسی اس طرح قتل عام جاری رکھتے تو آج دنیا میں علویوں کا ایک بچہ بھی منظر عام پر نہ آتا دنیا کی تاریخ میں ایسی ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ کسی باغی کے خاندان کو عطیات اور جاگیروں سے نوازا گیا ہو۔ مگر یہاں خاندان تو درکنار خود ان باغیوں کے لئے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ اور جاگیروں اور افسریوں سے نوازا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کا کوئی نہ کوئی چند سالوں کے بعد پھر آمادہ فساد ہو کر خروج کر بیٹھتا۔ اگر تاریخی نظائر کی طرح ایک باغی کو بھی قرار واقعی سزا مل جاتی تو سب کی تر کی تمام ہو جاتی۔



ادارہ فیض القرآن فیض نگر
پوسٹ آفس بڑھنگ
تحصیل بھمبر ضلع میرپور (آزاد کشمیر)